بد نیتی پر مبنی

نظر بندی

قیمت ۴ روپے

پیش کش
معیار پبلیکیشنز کی ایک معیاری
جون ۱۹۷۸ء
کا
ٹوٹ بٹوٹ
شائع ہوگیا
پیاری پیاری، ہنستی مسکراتی رنگین کہانیاں
دو سچے خواب
ایک کوڑی اور مکاٹو
سوکھا پیڑ
شاداب نگر کی شہزادی (سلسلہ وار ناول)
موٹا راجہ
چالاک بیوی
بچوں کے حقوق
میٹھی میٹھی دل نشیں نظمیں
چلبلاتے، گدگداتے کارٹون
سرورق: چمکتے دمکتے آرٹ پیپر پر
سارے صفحے دو سے زیادہ رنگوں میں،
مستقل عنوانات
بچوں کی دعا...... مجھے شکایت ہے......
وہ آئی ہنسی...... میں بڑا ہو کر کیا بنوں گا......
بوجھو تو جانیں...... کچی پکی دوستی...... آپ پوچھیں
ہم بتائیں...... ٹوٹ بٹوٹ کی محفل
قیمت
۴ روپے
جنرل منیجر:
ماہنامہ ٹوٹ بٹوٹ پوسٹ بکس: ۳۱۹۵، کراچی ۲۹

چیف ایڈیٹر

محمود شام

ایگزیکٹو ایڈیٹر

اشرف شاد

دفتر رابطہ

معیار پبلیکیشنز، پوسٹ بکس ۳۱۹۵

۱۹۰-۱-سی، بلاک ۲، پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹

پبلشر مشیر الحسن نے حسین ذکریا کے زیر اہتمام، پاکستان ہیرالڈ پریس سے چھپوا کر ۱۲ اسعید مینشن میکلوڈ روڈ سے شائع کیا

ان کا احتساب کیوں نہیں؟

پچھلے دنوں اخباروں میں خبر چھپی تھی کہ ہمارے عظیم ہمسایہ اور قابل اعتماد دوست چین نے پاکستان کے تیار شدہ گھٹیا تولئے واپس کر دیئے اور یہ شکایت کی کہ تولیے کا جو نمونہ بھیجا گیا تھا آرڈر پر وہ مال نہیں بھیجا گیا۔ اس شکایت کے ساتھ چین نے ۶۰ لاکھ روپے بطور جرمانہ بھی طلب کئے۔ اس کے بعد ہی یہ خبر آئی کہ صومالیہ نے بھی گھٹیا قسم کے تیار کردہ کمبل واپس کر دیئے اور ۸۰ لاکھ روپے کا جرمانہ طلب کیا۔ لیبیا نے بھی گھٹیا کوالٹی اور ناپ میں کمی کی شکایت کی۔ عراق کو گلے سڑے پھل فراہم کرنے کی شکایت ہوئی ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان کے تاجر اور صنعت کار اندرون ملک تو لوٹ کھسوٹ کرنے کے عادی ہیں ہی ملک کے باہر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اندرون ملک کے صارفین تو کسی طرح صبر کر لیتے ہیں لیکن غیر ممالک تو ایسا نہیں کر سکتے، اس طرح غیر ملکی منڈیوں میں پاکستان کی ساکھ کو صدمہ پہنچتا ہے اس کے علاوہ ملک کا وقار بھی گرتا ہے، کیا حکومت کو اس کا احساس ہے؟ اگر ہے تو ان لٹیروں کے خلاف احتساب کیوں نہیں ہوتا؟۔

(ایم اکرم ڈوگر۔ فیصل آباد)

سیاسی چمچہ

آخر کار مولانا کوثر نیازی نے اپنی اصلیت بیچ بازار میں کھول کر رکھ ہی دی، یہ وہی مولانا کوثر نیازی ہیں جو کبھی بھٹو کو پھول اور خود کو پتی، بھٹو کو سورج اور خود کو ستارہ کہا کرتے تھے یہ اس وقت کی بات ہے جب بھٹو وزیر اعظم اور کوثر نیازی صاحب ان کے ماتحت ایک وزیر ہوا کرتے تھے لیکن اب جبکہ بھٹو ایک قیدی ہیں ہائی کورٹ نے ان کے پھانسی چڑھا دینے کا فیصلہ کر دیا ہے تو یہی مولوی صاحب مسٹر بھٹو، ان کی بیگم اور ان کی لڑکی کے خلاف فتوے صادر کرنے لگے ہیں۔ انکا فتوا غلط ہے یا صحیح لیکن اس بارے میں تو کوئی شبہ نہیں رہا کہ یہ مولوی صاحب خود ایک سیاسی چمچہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے،

(اکرام الحق۔ پیپلز کالونی۔ فیصل آباد)

ہمدردیاں ساتھ ہیں

سوال یہ ہے کہ ملک کے کتنے اخبارات و جرائد بند کئے جاتے رہیں گے۔ مساوات بند ہوا، معیار بند ہوا، الفتح بند ہوا اور جانے کون کون سے پرچے بند ہوچکے اور آئندہ ہوں گے، آپ نے اب "کہکشاں" نکالا ہے دعا ہے کہ یہ بہر حال قائم رہے۔ ہماری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں آپ کے ساتھ ہمارا تعاون برابر جاری رہے گا۔

(بدرالدین چنا۔ لاڑکانہ)

خامیوں کی نشاندہی

میں آپ کے جریدے کا مستقل قاری ہوں۔ آپ کٹھن حالات میں اپنے فرائض جس طریقے سے پورے کر رہے ہیں وہ مستحسن اور حوصلہ افزا ہیں لیکن ایک مخلص قاری کی حیثیت سے آپ کی چند خامیوں کی نشاندہی بھی کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے مجھے آپ کے جریدے کی پالیسی سے اختلاف ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آپ جس شخص کے حق میں صفحے کے صفحے سیاہ کر رہے ہیں اس کے ماضی کو آپ نے اسقدر جلد کیوں بھلا دیا۔ آج آپ کی نظر میں وہ شخص جمہوریت کی علامت بنا ہوا ہے جس نے اپنے دور اقتدار میں جمہوریت کی بے پناہ مٹی پلید کی تھی۔ مجھے کسی سیاسی لیڈر سے نہ کوئی ذاتی شیفتگی ہے نہ نفرت لیکن محض چند ماہ پہلے تک حزب اختلاف کے سیاستدانوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا رہا ہے اسے کیونکر فراموش کیا جا سکتا ہے! یہ ملک یہاں بسنے والے عوام کا ہے لیکن عوام کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر کے ملک کے تمام وسائل و ذرائع کو صرف ایک پارٹی کے چمچوں کے لئے جس طرح وقف کر دیا گیا تھا اور عوام کو نظر انداز کر کے صرف ایک شخصیت کی تعمیر کی جا رہی تھی۔ یہ بات ہمیں آج بھی یاد ہے لہٰذا آپ اس کی حمایت میں چاہے کتنے ہی صفحات سیاہ کرتے جائیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ آپ "مکافات عمل" کی مذہبی اصطلاح کو جانے دیں لیکن سائنس کے اس اصول کو تو تسلیم کریں گے کہ ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔ اس رد عمل سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔

(حیات محمد صحرائی۔ ڈیرہ غازی خان)

جنرل ضیاء الحق سے

جنرل ضیاء الحق صاحب!

اگر اسلامی نظام کا نفاذ واقعی آپ کے نزدیک جزو ایمان ہے تو لازم ہے کہ ملک میں ہر قسم کی پارٹی بازی اور فرقہ بندی کو کالعدم کر دیں۔ یہ دراصل ایک شرک ہے جس سے نجات لازمی ہے۔ بعض لوگ "لفٹسٹ" کے مقابلے میں خود کو "رائٹسٹ" سمجھ لینا ہی کافی سمجھتے ہیں لیکن "رائٹسٹ" دراصل "ملائیت" اور سرمایہ داری کے گٹھ جوڑ کا نام ہے۔ اسے اسلام کے معتقدین کا ہم پلہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا، اس لئے ہم آپ سے کہیں گے اگر واقعی اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو حقیقی اسلام کو لائیے اور رسموں کی پابندی کا جو اسلام نام رکھ دیا گیا ہے اس سے گریز کیجئے۔

(نصرت خان جالندھری۔ راولپنڈی)

حلف اور قسم

حال ہی میں ایک خبر سننے میں آئی کہ حج پر جانے والوں کو ایک حلف نامہ اس مضمون کا داخل کرنا ہوگا کہ وہ کسی ذاتی غرض کے لئے یہ سفر نہیں کر رہا ہے بڑی اچھی بات ہے لیکن ایک سوال یہ ہے کہ اس ملک میں حلف اور قسم کی حیثیت ہی کیا رہ گئی ہے، حلف اٹھا کر قسمیں کھا کر انہیں توڑنا معمولی بات ہے۔ مثال کے طور پر بعض علامہ قسم کے لوگ جو کبھی بھٹو کا ساتھ دینے کے لئے قسمیں کھاتے تھے انہیں بھی اپنی قسمیں توڑتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آئی۔ پھر بھی عالم دین ہی کہلاتے ہیں، یہ تو محض ایک مثال ہے ورنہ دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ ہمارے یہاں حلف اور قسم کی جتنی مٹی پلید ہوتی ہے اتنی شاید ہی کہیں اور ہوتی ہو۔

(محمد عبداللہ شاہد اعظمی۔ منڈی بہاء الدین)

اسلام آباد سے ہمارے نمائندے کی خصوصی رپورٹ

جیل میں سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے شب و روز

چاروں طرف خاردار تاروں کی باڑ

چھت پر اینٹی ایئر کرافٹ گنیں

بلند و بالا دیواروں کے ساتھ ساتھ غیر معمولی حفاظتی انتظامات ہر پندرہ گز کے بعد پولیس کا ایک مسلح جوان اور فضا میں ایک پراسراریت سی رچی ہوئی یہ ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی ہے۔

جیل کے مرکزی دروازے کے عین اوپر پاکستان کا قومی پرچم لہرا رہا ہے اور قومی پرچم کے کچھ ہی فاصلے پر کال کوٹھڑی میں قوم کا عظیم رہنما ہر قسم کے نفسیاتی تشدد کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکاری ہے سابق وزیر اعظم جناب بھٹو کی راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل میں آمد کے سلسلے میں خصوصی طور پر چوہدری یار محمد کا سپرنٹنڈنٹ جیل کی حیثیت سے یہاں تبادلہ کیا گیا ہے معلوم ہوا ہے کہ چوہدری صاحب نفسیاتی تشدد کے معاملے میں خاصے ماہر ہیں اور خاص طور پر پیپلز پارٹی کے ضمن میں تو ان کے مزاج میں کچھ زیادہ ہی انتقام گھلا ہوا ہے۔

جب سے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین کو یہاں لایا گیا ہے قیدیوں کی خاصی تعداد کو اٹک اور جہلم کی جیلوں میں منتقل کر دیا گیا ہے ایک اطلاع کے مطابق جیل کے اندر بھی قیدیوں کی نقل و حرکت کم کر دی گئی ہے اور تمام قیدیوں کا اس حصے کے دور دور تک آنا منع کر دیا گیا ہے جہاں کہ جناب بھٹو کو رکھا گیا ہے۔ مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوں تو کچھ ہی فاصلے پر ایک اور آہنی گیٹ ہے جس کے ساتھ بائیں طرف سپرنٹنڈنٹ جیل چوہدری یار محمد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مہر عمر دراز اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ عبدالمجید قریشی کے دفاتر ہیں ان دفاتر کے آگے ایک کوریڈور ہے جہاں لوہے کے جنگلے لگے ہوئے ہیں اور جہاں قیدیوں کی انکے لواحقین سے ملاقات ہوتی ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب سے سابق وزیر اعظم کو یہاں رکھا گیا ہے حفاظتی انتظامات کے تحت ملاقاتیوں کی تعداد میں بھی کمی کر دی گئی ہے۔

دوسرے آہنی گیٹ سے اندر داخل ہوں تو آگے ایک کھلا احاطہ ہے اور اس سے آگے دائیں طرف کچھ فاصلے پر وہ "چکیاں" ہیں جن میں سابق وزیر اعظم کو رکھا گیا ہے، آمنے سامنے چھ کوٹھڑیاں ہیں جن میں سے چار کوٹھڑیاں جناب بھٹو کے لئے مخصوص کی گئی ہیں، درمیان میں ایک چھوٹا سا کوریڈور ہے، یہ تنگ و تاریک کوٹھڑیاں بہت پرانی تعمیر کی ہوئی ہیں اور ان میں کوئی کھڑکی نہیں ہے صرف ایک لوہے کی سلاخوں کا دروازہ ہے۔ تنگ و تاریک کھولیوں کے تالوں کی ایک ایک چابی سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے پاس ہوتی ہے، ایک کوٹھڑی سابق وزیر اعظم کا بیڈ روم قرار دی گئی ہے جہاں لوہے کی ایک چارپائی رکھی گئی ہے اور ایک تپائی پر جگ اور گلاس، لوہے کی چارپائی کے علاوہ اس کوٹھری کا کل سرمایہ ہیں، اس کوٹھڑی کے بارے میں ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ اس کے فرش کو اکھاڑ کر لوہے کی سلاخوں سے "لنٹر" ڈالا گیا ہے تاکہ کسی سرنگ کا شائبہ نہ رہے، ایک اور کوٹھڑی جناب بھٹو کے لئے "باتھ روم" قرار دی گئی ہے جبکہ تیسری کوٹھڑی ٹائلٹ بنایا گیا ہے، ایک اور کوٹھڑی جناب بھٹو کی مشقتی کے لئے ہے، ان کوٹھڑیوں کی چھتوں پر "اینٹی ایئر کرافٹ" نصب ہیں جبکہ ان پر متعین جوانوں کے قدموں کی آواز جناب بھٹو کو تمام وقت پریشان کئے رکھتی ہے،

ایک فریج میں سابق وزیر اعظم کے لئے دودھ

گوشت اور ڈبل روٹی مہیا کی جاتی ہے لیکن ابھی تک جناب بھٹو نے جیل حکام کی دی گئی خوراک کو استعمال نہیں کیا اور وہ اپنے وکلا کی معرفت یا ملاقات پر نصرت بھٹو کی لائی ہوئی خوراک کو استعمال کرتے ہیں ۔ معلوم ہوا ہے کہ سابق وزیر اعظم بہت کم خوراک استعمال کرتے ہیں کبھی کبھار گوشت کے ایک آدھ ٹکڑے یا ڈبل روٹی کے ایک ٹکڑے کے علاوہ زیادہ تر کافی پیتے ہیں ، دن میں ایک یا دو سگار پیتے ہیں ، انہیں مطالعے کے لئے جیل حکام کی طرف سے دو اخبار "جنگ" اور "پاکستان ٹائمز" دیئے جاتے ہیں جنہیں سابق وزیر اعظم تک پہنچانے سے پہلے سنسر کیا جاتا ہے اور اکثر خبروں پر بلیڈ چلا دیا جاتا ہے ۔

سابق وزیر اعظم کے سینئر وکیل مسٹر یحییٰ بختیار کے مطابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو کے کمرے میں انتہائی حساس آلات موجود ہیں جن کی وجہ سے سابق وزیر اعظم کو اپنے تمام وکلاء کو مقدمے کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے بڑی دقت پیش آتی ہے ، سابق وزیر اعظم کو جب بھی ٹائلٹ جانا ہوتا ہے یا وہ نہانے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ لوہے کی سلاخوں کے پاس آکر باہر کھڑے سفید لباس میں ملبوس کسی افسر سے مخاطب ہوتے ہیں اور یوں مختلف ٹیلیفونوں پر اطلاع دیئے جانے کے بعد سابق وزیر اعظم کی کال کوٹھڑی کا تالا کھول کر ساتھ ہی دوسری کوٹھڑی میں لے جایا جاتا ہے ۔

ان کوٹھڑیوں کے باہر چاروں طرف خاردار تاروں کی ایک باڑ لگائی گئی ہے جس کے درمیان مختلف ٹیلیفون رکھے گئے ہیں اور ان پر ذمہ دار افسران اور جوان متعین ہیں ، سابق وزیر اعظم کی رہائشی کوٹھڑی کے عین سامنے ایک فون پر ایک شخص ہر لمحہ فون اٹھائے "رننگ کمنٹری" میں مصروف رہتا ہے اور جناب بھٹو کی ہر نقل و حرکت کے بارے میں کسی کو مطلع کرتا ہے جیل کے قواعد کے مطابق سزائے موت پانے والے ہر قیدی کو نصف گھنٹہ صبح اور نصف گھنٹہ شام کو کوٹھڑی سے باہر کھلی ہوا میں لایا جاتا ہے لیکن جناب بھٹو نے ذہنی طور پر دی جانے والی مختلف تکلیفوں کے احتجاج کے طور پر چہل قدمی کرنے سے انکار کر دیا ہے ۔

بے نظیر
بھٹو
کا تار

مجھے سپریم کورٹ میں جیل حکام کے الزامات کی صفائی کا

موقع دیا جائے

چیف جسٹس
مسٹر جسٹس انوار الحق سپریم کورٹ آف پاکستان
اسلام آباد

میں ایک پانچ ہزار سال قدیم تہذیب سے تعلق رکھتی ہوں جس نے مجھے وقار ، جرأت اور ایک اخلاقی اثاثہ ودیعت کیا ہے ، میں نہیں جانتی کہ ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی کے سپرنٹنڈنٹ کہاں سے نمودار ہو گئے ہیں کہ انہوں نے ایسے شرمناک کردار کا مظاہرہ کیا ہے ، جسے دیکھ کر شیطان بھی شرما جائے ، مجھے جیل کے حکام نے ہراساں کیا ، پریشان کیا اور بلیک میل کیا ۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس اصطلاح میں کرنل کو بھی شامل کیا جائے ، جس کی ہدایت پر ہر شخص اچھل اچھل پڑتا ہے نہ صرف یہ کہ جیل حکام نے بری طرح مجھے ذلیل کیا ۔ بلکہ اب سپریم کورٹ میں میری کردار کشی کی کوشش کی جا رہی ہے ، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مجھے سپریم کورٹ کے سامنے جھوٹے اور گندے الزامات کی صفائی کا موقع دیا جائے ، یہ الزامات ایسے افراد کی طرف سے لگائے گئے ہیں جو اتنے پست اور اتنے کمینے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے افسروں کو بھی بے عزت کر رہے ہیں ، جیل حکام کا جھوٹ ان کے بیانات میں تضادات سے اجاگر ہوتا ہے ۔ ۶ جون کے اخبارات میں میں نے پڑھا کہ میں نے جیل حکام کو اپنے بیگ کی تلاشی دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ ۷ جون کو اخبارات میں پڑھا کہ میں نے جیل حکام کو اپنے بیگ کی تلاشی کی اجازت دے دی تھی ، اگرچہ عام سزا یافتہ قیدیوں کو بھی اپنے خاندان سے ہفتے میں ایک بار ملنے کی اجازت ہوتی ہے ، لیکن مجھے اس حق سے صرف اس لئے محروم کیا جا رہا ہے کہ میں قوم کے مستند اور غیر متنازعہ قائد کی بیٹی ہوں انصاف کے نام پر میری شنوائی کیجئے ۔ اور جیل حکام کی ناانصافیوں کا خاتمہ کیجئے ۔ میں اپنے والد کے ساتھ جو ایک منٹ ، ایک لمحہ گذارتی ہوں وہ انتہائی قیمتی ہے ۔ جیل حکام جان بوجھ کر بدنیتی ، جھوٹ پر مبنی داستانیں گھڑ رہے ہیں ۔ صرف اس لیے کہ مجھے جتنی بار ملنے کی اجازت ہے ، میں اس سے بھی محروم رہوں جیل حکام کے یہ اقدامات اس اعصابی جنگ کے تحت منطقی قدم ہیں ، جو گذشتہ سال جولائی کے تختہ الٹنے سے لے کر اب تک ہمارے خلاف جاری ہے ۔ وہ مجھے اعصابی طور پر توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ میری رگوں میں مجاہدوں کا خون دوڑ رہا ہے اور ذوالفقار علی بھٹو ان میں سے سب سے بڑے مجاہد ہیں ۔

(بے نظیر بھٹو)

محمود شام

سندھ، پنجاب کے محکمۂ داخلہ کی خفیہ رپورٹ

عوام انتخابات کے پروگرام کا واضح اعلان چاہتے ہیں

سندھ اور پنجاب کے ہوم ڈیپارٹمنٹ نے مرکزی حکومت اور مارشل لاء حکام کو امن وامان کی صورتِ حال پر جو خفیہ رپورٹ بھیجی ہے اس میں باوثوق ذرائع کے مطابق یہ بتایا گیا ہے کہ مزدوروں، کسانوں، اساتذہ، صحافیوں اور دوسرے محنت کشوں میں متعدد مسائل کی بنا پر بے چینی پائی جاتی ہے۔ جو وقتاً احتجاجی مظاہروں کا محرک بھی بن رہی ہے۔ اس رپورٹ میں یہ لکھا گیا ہے کہ عوام بے تابی سے اس بات کے منتظر ہیں کہ انتخابات کے پروگرام کا واضح طور پر اعلان کیا جائے۔

مارشل لاء ۔ ۳۳ ختم کر کے سیاسی سرگرمیوں کو بحال کیا جائے۔

یقین تو نہیں آتا کہ نوکر شاہی ۔ حکومت کو صحیح رپورٹ دے سکتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ایسی ہی رپورٹیں روانہ ہوتی ہیں۔ اب ان پر کیا عمل کیا جاتا ہے یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔ موجودہ حکومت کے بعض اہم ستون بھی اسی خیال سے متفق ہیں۔ انہوں نے بھی اعلیٰ سطحی اجلاسوں میں اسی بات پر زور دیا ہے کہ اب اور نئے فارمولے تلاش کرنے اور انہیں آزمانے کی بجائے وہی فارمولا اختیار کیا جائے، جس کے لئے فوج نے مجبوراً نظم ونسق سنبھالا تھا۔ اور جو تمام عوام کی خواہش بھی ہے انتخابات۔ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات۔ کیونکہ اور راستے اختیار کرنے کی وجہ سے الجھنیں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔

یہی بازگشت ۔ سندھ ہائی کورٹ میں بھی سنی گئی۔ اس ہفتے آنسہ بے نظیر بھٹو، ممتاز علی بھٹو، اور عبدالحفیظ پیرزادہ کی نظر بندی کے خلاف آئینی درخواستیں زیر سماعت آئیں۔ آج کل ہائیکورٹ میں تعطیلات ہیں۔ اس لئے ایک ہی ڈویژن بنچ سماعت کر رہا ہے۔ جو مسٹر جسٹس فخر الدین جی ابراہیم اور مسٹر جسٹس اجمل میاں پر مشتمل ہے جسٹس فخر الدین جی ابراہیم نے چار جون کو کہا کہ وہ نظر بندی کی درخواستوں کو مسلسل سننا چاہتے ہیں۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ۵ جون سے آنسہ بے نظیر بھٹو کی درخواست پر سماعت مسلسل ہو۔ اس کے بعد ۷ جون سے ممتاز علی بھٹو اور عبدالحفیظ پیرزادہ کی درخواستیں متواتر سنی جائیں۔ جناب پیرزادہ نے کہا کہ ہماری نظر بندی کی میعاد ۲۸ جون کو ختم ہو رہی ہے۔ پہلی نظر بندی کے خلاف ہماری درخواست کی سماعت ختم نہیں ہوئی تھی۔ کہ اس کی میعاد ختم ہوگئی اور نظر بند کرنے والی اتھارٹی نے اپنا حکم واپس لے لیا۔ اس لئے ہماری درخواست غیر موثر ہوگئی تھی۔ اب ہم نے جیل سے اپنی پٹیشن بھیجی تھی۔ اس کی میعاد ۲۸ جون کو ختم ہو جائے گی۔ جسٹس فخر الدین جی ابراہیم نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں۔ اس سے بہت پہلے سماعت مکمل کر لی جائے گی۔ آنسہ بے نظیر بھٹو مسلسل ۵ ۔ ۶ اور ۷ جون کو عدالتِ عالیہ میں پیش کی گئیں۔ ۷ جون کو ممتاز علی بھٹو اور حفیظ پیرزادہ کی بھی اسی عدالت میں پیشی تھی۔ آنسہ بے نظیر بھٹو کے مقدمے کی پیروی جناب عبدالمجیب پیرزادہ کر رہے ہیں۔ نظر بندی کے خلاف درخواستوں میں نظر بندی کی وجہ بدنیتی قرار دی گئی ہے کیونکہ حکومت نے جتنے الزامات عائد کئے ہیں۔ ان میں نہ کسی حتمی تاریخ کا علم ہوتا ہے اور نہ حتمی وقت کا

کراچی میں اصغر خان کی آمد سے کراچی کی سیاست میں کافی تیزی آگئی تھی۔ مولانا شاہ احمد نورانی سے ان کی ملاقاتیں معنی خیز بھی ہیں اور نتیجہ خیز بھی۔ مولانا نورانی نے اس کے بعد قومی اتحاد کو پندرہ روز کا واضح الٹی میٹم دے دیا ہے۔ قومی اتحاد۔ صرف بھٹو دشمنی کی خاطر عمل میں آیا تھا۔ جب وہ مقصد۔ فوج کے برسر اقتدار آجانے سے پورا ہو گیا تو سب سے پہلے تو اصغر خان اس سے الگ ہوئے اور کئی مہینے سے مولانا شاہ احمد نورانی اتحاد کو چیلنج پر چیلنج دے رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اتحاد کے پاس اب کوئی پروگرام نہیں رہا ہے۔ اس لئے وہ اپنے جوڑ توڑ کے عمل میں ہی مصروف ہیں کسی بھی مسئلے پر وہ عوام کی رہنمائی نہیں کر پا رہے ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے، اصغر خان کی طرح قومی اتحاد سے علیحدگی کو فوراً مناسب نہیں سمجھا بلکہ وہ مکمل اتمام حجت کر رہے ہیں اس طرح انہوں نے انتہائی کامیابی سے قومی اتحاد میں موجود قیام پاکستان کی دشمن جماعتوں جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام۔ این ڈی پی خاکسار۔ پی ڈی پی کے گٹھ جوڑ کو بے نقاب کر دیا ہے خبر یہ ہے کہ جناب اصغر خان اور مولانا شاہ احمد نورانی کے درمیان آئندہ اشتراک عمل کا پروگرام اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ طے پا گیا ہے۔ قومی اتحاد سے آخری شو ڈاؤن کی حتمی تاریخ۔ اس کے بعد کیا رویہ اختیار کیا جائے گا۔ تحریک استقلال اور جمعیت علمائے پاکستان کے باقاعدہ اشتراک کا اعلان کب ہو گا

امریکی جریدہ نیوز ویک۔ سپریم کورٹ میں چیئرمین بھٹو کی اپیل کی سماعت کے آغاز کے ساتھ ہی بار بار یہ انکشاف کر رہا ہے کہ پاکستان کی فوجی حکومت مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی گی پہلے اس نے ایک طویل تجزیاتی رپورٹ میں یہ کہا تھا کہ فوجی حکومت کے لئے مسٹر بھٹو کو پھانسی دینا دو برائیوں میں سے ایک کا چناؤ ہے۔ فوجی حکومت کے نزدیک بھٹو کی پھانسی کم برائی ہے اس لئے وہ اسے چنے گی اب نئے پرچے میں ایک مختصر سا انکشاف برصغیر کے اعلیٰ سطحی ذرائع کے حوالے سے کیا گیا ہے کہ مسٹر بھٹو کو دو تین ماہ میں پھانسی دے دی جائے گی پہلے کہا گیا ہے کہ اگر سپریم کورٹ نے لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھا۔ تو کچھ دن بعد فوجی حکومت مسٹر بھٹو کو تختہ دار پر لٹکا دے گی۔ پھر وثوق سے کہا گیا ہے کہ سپریم کورٹ اس فیصلے کو برقرار رکھے گی۔

نیوز ویک۔ بھٹو کو پھانسی دینے کے سلسلے میں اتنا کیوں فکر مند ہے جس وقت سپریم کورٹ میں صفائی کے بڑے وکیل جناب یحییٰ بختیار۔ لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کی خامیوں، گواہوں کے بیانات میں جھوٹ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ شہادتوں کا تجزیہ کر رہے ہیں اس وقت نیوز ویک کا بار بار بھٹو کو پھانسی دینے کے بارے میں یقین ظاہر کرنا بے سبب نہیں ہے یہ در اصل ایک دباؤ بھی ہے اور سگنل بھی جب کہ دنیا بھر سے موت کی سزا معاف کرنے کی اپیلیں آ رہی ہیں۔ اس وقت ایک امریکی جریدے کی یہ مہم بے معنی نہیں ہے اس سے امریکہ اور بالخصوص یہودیوں کی دلچسپی نظر آتی ہے لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے بعد معاملہ حکومت کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ اب سپریم کورٹ میں اپیل کے بعد معاملہ پھر عدالت کے پاس ہے۔ عدالت سے انصاف کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے اپیل کی سماعت کے آغاز میں یقین دلایا تھا کہ انصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں گے۔

ائیر مارشل اور مولانا نورانی میں

آئندہ اشتراک عمل کی

تفصیلات طے پا گئی ہیں

اب جب کہ ہم مارشل لاء کی سالگرہ کے نزدیک آ رہے ہیں۔ تو سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے کہ اس ایک سال میں ہم کہاں سے کہاں تک پہنچے ہیں۔ سیاسی طور پر۔ اقتصادی طور پر۔ سیاسی سرگرمیوں پر حکومت نے پابندی عائد کر رکھی ہے۔ اقتصادی سرگرمیاں۔ بے یقینی کی وجہ سے بند ہیں۔ بجٹ پیش کرنے میں بھی تاخیر ہو گئی ہے۔ نہ جانے کیوں۔ بہر حال سال پورا ہو تو ہم سب کو۔ حکومت کو۔ عبوری فوجی انتظامیہ کو سب کو دیکھنا چاہیئے کہ اس آئین سے ماوراء اقدام کے نتیجے میں ملک کو کیا ملا ہے۔ اقتصادی صورتحال کتنی بہتر ہوئی۔ شہری حقوق کا کیا بنا۔ کتنے اخبار رسالے بند ہوئے۔ کتنے لوگوں کو روزگار ملا۔ کتنے بیروزگار ہوئے۔ سیاسی انتقام کا سلسلہ رکا کہ بڑھا۔ کتنے لوگ گرفتار ہیں۔ کتنے لوگوں نے کوڑے کھائے صنعتی پیداوار کتنی بڑھی۔ کتنی گھٹی۔ زرعی پیداوار میں کیا اضافہ ہوا کتنی کمی ہوئی۔ خارجہ امور میں کتنی بہتری آئی۔ نوکر شاہی کے اعداد و شمار پر تو کسی کو اعتبار نہیں۔ عام لوگوں سے پوچھئے۔ تاجروں سے۔ صنعت کاروں سے۔ ہم اسلامی معاشرہ قائم کر رہے ہیں۔ اس لئے اس میں جھوٹ کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ جھوٹ کی سزا، جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

معراج محمد خان بھوک ہڑتال ختم نہ کرتے تو اُن کی زندگی کو خطرہ تھا،

معراج محمد خان پھر جیل میں ہیں اور اس طرح انہوں نے اپنا یہ اسکور پورا کر لیا ہے کہ وہ ہر دورِ حکومت میں سزاوار رہے ہیں ایوب خان کے دورِ حکومت میں طلبہ تحریک کی قیادت کرنے پر وہ کئی بار جیل گئے۔ پھر بھٹو صاحب کا ساتھ دینے پر اسیر ہوئے۔ یحییٰ خان کے دور میں بھی قابلِ تعزیر ٹھہرائے گئے۔ پھر بھٹو صاحب کے دور میں قید بامشقت کی سزا پائی۔ حیدر آباد سازش کیس میں ملوث کئے گئے۔ ایک بار پھر اٹک جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

راولپنڈی کی ایک سرسری سماعت کی فوجی عدالت نے معراج کو ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی ہے معراج پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے فوری طور پر انتخابات کرانے اور صحافیوں کو ان کی جدوجہد میں حمایت کا یقین دلاتے ہوئے مارشل لاء حکومت کی مذمت کی تھی۔

معراج محمد خان کی بیگم زبیدہ معراج نے جو چند روز قبل ہی اٹک جیل سے واپس آئی ہیں۔ ایک ملاقات میں، ہمیں بتایا کہ نظر بندی کے فوراً بعد معراج محمد خان نے جیل حکام کے رویے کے خلاف بھوک ہڑتال کر دی تھی۔ جو شیر محمد مری، افضل بنگش اور دیگر دوستوں کی اپیل پر آٹھ روز بعد معراج نے بڑی مشکل کے ساتھ ختم کی ہے بیگم زبیدہ معراج کا کہنا ہے کہ بھوک ہڑتال نے معراج کو بڑا کمزور کر دیا ہے اس کے ساتھ ہی آنکھ کی تکلیف اور سر میں مسلسل درد بھی رہنے لگا ہے جیل میں کسی بھی قسم کے علاج کی سہولت نہیں دی گئی ہے جب کہ اپنی نظر بندی سے قبل معراج کراچی میں ڈاکٹر جمعہ اور ڈاکٹر کرمانی کے زیرِ علاج تھے اور وہ اپنے علاج کے لئے کچھ ہی عرصے بعد لندن بھی جانے والے تھے۔

شیر محمد مری معراج کی بھوک ہڑتال ختم کرانے کے لئے اٹک جیل گئے تھے ان دنوں کراچی آئے ہوئے ہیں ایک ملاقات میں شیر محمد مری نے ہمیں بتایا کہ اٹک جیل میں معراج کے ساتھ جیل حکام نے نہایت ناروا رویہ اختیار کیا تھا۔ جس سے اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اگر ہم دوستوں کے مجبور کرنے پر معراج اپنی بھوک ہڑتال ختم نہیں کرتا تو اس کا بچنا محال تھا۔

شیر محمد مری نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ ایک طرف ہر سیاسی پارٹی کے چھوٹے بڑے رہنما کو اپنی اپنی بولیاں بولنے کی کھلی اجازت ہے بلکہ حکومت ذرائع ابلاغ عامہ اس کی دن رات تشہیر بھی کر رہے ہیں مگر معراج محمد خان کو ایک کمرے میں اپنے دوستوں کے درمیان سیاسی مسائل پر اظہار خیال کرنے پر قابلِ تعزیر ٹھہرایا جاتا ہے۔ شیر محمد مری نے عبوری حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ معراج کو دی جانے والی سزا منسوخ کرے اور فوری طور پر اُسے رہا کرے۔

شیر محمد مری نے اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے ہم سے کہا کہ کسی مارشل لاء حکومت سے کوئی مطالبہ کرنا بذاتِ خود ایک مذاق ہے مگر "معراج" کی جیل میں حالت دیکھتے ہوئے میں عبوری حکومت سے یہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔

✿

روزنامہ جسارت اور کراچی پولیس

یوں لگتا ہے کہ جیسے کراچی سے صرف روزنامہ جسارت ہی نکلتا ہے۔

اس کے علاوہ کراچی سے کوئی اخبار نکلتا ہے۔ اور نہ "جسارت" کے صحافیوں کے علاوہ کوئی صحافی ہے۔ صحافی کتنا ہی سینئر کیوں نہ ہو۔ اور وہ پاکستان کے تمام صحافیوں کا مسلّمہ رہنما۔ منتخب صدر۔ اخباری صنعت کے وابستہ تمام کارکنوں کا کا منتخب چیرمین۔ اور پاکستان بھر کے مزدوروں کی رابطہ کمیٹی کا چیرمین ہی کیوں نہ ہو۔ وہ آج کل کراچی پولیس، اور کراچی انتظامیہ کے نزدیک کوئی وقعت ہی نہیں رکھتا۔ اس کے ساتھ عام مجرموں سے بھی سخت سلوک کیا جانا چاہیے کسی اخبار کا کوئی رپورٹر فون کرے، جائے تو کراچی پولیس اسے صحیح صورتِ حال نہیں بتائے گی۔ لیکن 'جسارت'۔ جو اس وقت کراچی میں صرف "مشرق" سے زیادہ شائع ہوتا ہے۔ اور "جنگ" 'امن'، 'صداقت' 'اعلان' آغاز اور حریت سے کہیں کم سرکولیشن رکھتا ہے اور آج کل زبردستی مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کا کوئی رپورٹر چلا جائے تو پورا تھانہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آج کل پولیس انسپکٹروں، سب انسپکٹروں، اور اسسٹنٹ سب انسپکٹروں کی ترقیوں کا ٹھیکہ روزنامہ 'جسارت' نے لے رکھا ہے۔

جناب منہاج برنا کی کار سے ایک سائیکل سوار کے معمولی تصادم نے روزنامہ "جسارت" اور کراچی پولیس کے گٹھ جوڑ کو پوری طرح بے نقاب کر دیا ہے۔ اس معمولی تصادم کو جس طرح "جسارت" نے خوب اچھالا۔ پولیس نے بھی اسی طرح اس موقع پر ہی قابل ضمانت جرم کو اتنا بڑا جرم بنایا کہ پوری انتظامیہ حیران رہ گئی۔ واقعات تو اس شمارے میں آپ کو دوسری رپورٹ میں مل جائیں گے۔ لیکن میں پولیس کے رویے پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

یکم جون کو منہاج برنا صاحب صحافیوں کی جدوجہد کے سلسلے میں میٹنگ ختم کر کے نرسری سے ابیسی سینیالائن کی طرف جا رہے تھے، جہاں ان کی بہن رہتی ہیں۔ گورا قبرستان کے سامنے۔ صدر کی طرف جانے والی مبارک شہید روڈ۔ تنگ بھی ہے۔ اور روشنی سے بھی محروم ہے۔ یہاں ایک غلط سائڈ سے آنے والا اور بغیر کسی بتی کے سائیکل پر سوار ایک شخص ان کی کار سے ٹکرا گیا۔ منہاج برنا صاحب نے اس کو بچانے کی پوری کوشش کی سڑک تنگ تھی، اندھیرا تھا۔ اور پھر سائیکل سوار اتنی تیزی سے آیا کہ وہ پوری طرح نہ بچ سکا اس کے چوٹیں آئیں مگر اتنی معمولی کہ وہ بے ہوش بھی نہیں ہوا۔ اس کو برنا صاحب نے گاڑی میں بٹھایا۔ خود جناح ہسپتال لے گئے۔ اور ڈاکٹروں کے حوالے کیا۔ یہ زخمی اس وقت تک خود چل پھر رہا تھا۔ جناح ہسپتال کے شعبۂ حادثات میں جانے کا اتفاق جس کو بھی ہوا ہے۔ وہ جانتا ہو گا۔ کہ ان کا کیا رویہ ہوتا ہے۔ انہوں نے نام پوچھا۔ یہ پتہ لگتا تھا کہ جس گاڑی سے یہ معمولی زخمی ٹکرایا ہے۔ وہ منہاج برنا ہیں۔ تو ڈاکٹروں کو جیسے کوئی بہت بڑا موقع مل گیا۔ انہوں نے بدتمیزی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ اور کہا تو نشے میں معلوم ہوتا ہے۔ برنا صاحب نے انکار کیا۔ ڈاکٹر نے کہا ہم معدہ صاف کریں گے۔ برنا صاحب نے تحری طور پر اس سیاسی محرکات پر مبنی ڈکٹری کاروائی سے انکار کر دیا۔ اتنے میں ٹریفک پولیس کو بلا لیا گیا۔ اس روز چالان ہوا۔ لائسنس کے بغیر گاڑی چلانے' اور ایک راہگیر کو زخمی کرنے کے جرم میں۔ اور برنا صاحب کو نہ صرف ذاتی مچلکہ پر چھوڑ دیا گیا۔ گاڑی بھی اگلے روز واپس کر دی گئی زخمی بھی تیسرے روز ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں ڈاکٹروں کے ذریعے روزنامہ جسارت تک یہ خبر پہنچی پھر جسارت اور پولیس کا گٹھ جوڑ شروع ہوا۔ جسارت، میں ٹریفک کے سب انسپکٹر کی تحریر کا عکس شائع ہوا۔ جو حادثے کے وقت نہیں لکھی گئی تھی اور نہ اس وقت کسی کو بتایا گیا تھا۔ اس تحریر میں سب انسپکٹر قربان حسین نے لکھا تھا کہ منہاج برنا مجھے نشے میں معلوم ہوتا ہے۔ یہ تحریر خاص طور پر 'جسارت'، کے ایما پر لکھی گئی۔ اور پھر اس تحریر کی بنیاد پر 'جسارت' نے یہ خبر جمائی کہ منہاج برنا پر شراب نوشی کا مقدمہ قائم کیا جائے گا۔ پھر ایک اداریہ لکھ کر یہ مطالبہ کیا گیا۔ پھر پورے سات روز بعد پولیس کی بہت بڑی پارٹی نے سات جون کو منہاج برنا صاحب کے گھر کا گھیراؤ کر کے انہیں گرفتار کر لیا اس کی ایف آئی آر جو چھ تاریخ کو بنائی گئی۔ وہ برنا صاحب کو دکھائی گئی۔ اور نہ ان کی ضمانت کے لیے جانے والے وکیل اور صحافیوں کو دکھائی گئی، لیکن اس کا متن خبر کی شکل میں 'جسارت' میں صبح چھپا ہوا تھا۔

یہ مقدمہ قطعی جھوٹے الزامات پر قائم کیا گیا، لیکن اس کے باوجود یہ واقعات موقع پر ہی قابل ضمانت تھیں۔ اور جس روز کا واقعہ ہے۔ اس روز پولیس نے خود منہاج برنا صاحب کے خلاف یہ مقدمہ قائم نہ کیا۔ صرف ٹریفک کا مقدمہ قائم کیا اور انہیں ذاتی مچلکے پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن چھ روز بعد پھر پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اور موقع پر ضمانت کے لیے دریافت نہیں کیا۔ جب ضمانت کے لیے ایک سینئر ایڈوکیٹ ایم ایل شاہانی۔ اور صحافی پہنچے تو صدر پولیس سٹیشن کے ایک افسر انیس زیدی۔ جو ڈیوٹی پر ہونے کے باوجود وردی کی قمیض اتارے ہوئے۔ وردی کی پتلون کی جگہ پائجامہ پہنے تھانے کی میز پر دراز تھے۔ انہوں نے صاف صاف انکار کر دیا کہ ہمارے ہاں کوئی منہاج برنا نہیں ہے۔ حالانکہ منہاج برنا نے اپنی گرفتاری کی اطلاع خود اسی تھانے سے دی۔ اور ان کے گھر گرفتاری کے لیے جانے والوں میں صدر پولیس اسٹیشن کے انچارج چوہدری نذر محمد تھے۔ اور انہوں نے خود بتایا تھا۔ کہ صدر پولیس سٹیشن کا انچارج انہیں زیدی صاحب نے یہ رویہ اس لیے اختیار کیا کہ قانون کے مطابق جناب منہاج برنا کی ضمانت نہ ہو سکے۔ اور دوسرے اپنی اس شاندار کارکردگی کے باعث وہ 'جسارت' والوں کے ذریعے واپس ٹریفک میں اپنی تقرری کروا سکیں۔

رات بھر مختلف تھانوں میں گھومنے کے بعد کہیں پتہ نہ چل سکا کہ برنا صاحب کہاں ہیں۔ اور جب متعلقہ علاقہ عدالت سے ضمانت پر فوراً رہا کرنے کا حکم جاری ہو گیا۔ اور یہ احکامات چوہدری نذر محمد صاحب کو خود دیے گئے۔ تو ایسا لگا کہ جیسے ان کا سارا منصوبہ ناکام ہو گیا ہو۔

باقی صفحہ ۵۰ پر۔

کراچی

مجاہد
بریلوی

نورانی بمقابلہ قومی اتحاد

بیرون ملک تین ماہ کے تبلیغی دورے سے واپسی کے بعد سے حضرت مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے بیانوں کی توپوں کا رخ قومی اتحاد کی جانب کر رکھا ہے۔ اور اب تو مولانا شاہ احمد نورانی نے کراچی میں جمعیت علمائے پاکستان کی مجلس شوریٰ کا غیر رسمی اجلاس بلا کر قومی اتحاد کے رہنماؤں کو پندرہ دن کا الٹی میٹم بھی دے دیا ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے ایک مکتوب میں جو قومی اتحاد کے صدر مفتی محمود کے ایک خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ قومی اتحاد کے عہدیداروں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ جمعیت علمائے پاکستان کے دستوری، آئینی اور اصولی مطالبات کو کھلے دل سے قبول کر لیں اور اپنے غیر آئینی انتخاب کو کالعدم قرار دے کر قومی اتحاد کے لیے عہدیداروں کا چناؤ کریں ورنہ جمعیت علمائے پاکستان ۲۰ جون کو اپنی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلا کر قومی اتحاد سے اپنے تعلقات کے بارے میں حتمی اعلان کر دے گی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے اس مکتوب میں مفتی محمود کو قومی اتحاد کے صدر کی حیثیت سے نہیں بلکہ جمعیت علمائے اسلام کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے مخاطب کیا ہے۔

جمعیت علمائے پاکستان کے اس مکتوب کے جواب میں مفتی محمود اپنے جوابی بیان دے چکے ہیں۔ جس کے بعد یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ تحریک استقلال کے بعد جمعیت علمائے پاکستان بھی قومی اتحاد سے علیحدہ ہو جائے گی یا پھر قومی اتحاد اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے اسے الٹی میٹم کے دن پورے ہونے سے قبل ہی نکال دے گا۔

یوں تو عملی طور پر جمعیت علمائے پاکستان کا قومی اتحاد سے باقاعدہ رشتہ تحریک استقلال کی قومی اتحاد علیحدگی کے بعد ہی سے ٹوٹ گیا تھا مگر بقول جمعیت علمائے پاکستان کے ایک ممتاز رہنما کے "ہم قومی اتحاد کو کھوکھلا کر کے چھوڑنا چاہتے ہیں سو اب وہ وقت آ گیا ہے"

جمعیت علمائے پاکستان کا قومی اتحاد پر بظاہر اعتراض اس کے عہدیداروں کے انتخاب پر ہے۔ مگر قومی اتحاد کے ذرائع بتاتے ہیں کہ قومی اتحاد سے تحریک استقلال کی علیحدگی کے بعد ہی سے قومی اتحاد میں شامل پارٹیوں کو اس بات کا یقین تھا کہ جمعیت علمائے پاکستان جو قومی اتحاد کے قیام سے قبل تحریکِ استقلال کی اتحادی پارٹی کی حیثیت سے ۱۹۷۷ء تک متحدہ جمہوری محاذ کے خلاف صف آرا رہی "قومی اتحاد" میں چند روز کی مہمان ہے۔ اور وہ نام کی حد تک قومی اتحاد کے اجلاسوں میں شریک ہو کر اسے اندر سے کھوکھلا کرنا چاہتی ہے۔

قومی اتحاد سے "مخلص" پارٹیاں جمعیت علمائے پاکستان کی "سازش" سے آگاہ ہو گئی تھیں اسی لیے انہوں نے جمعیت علمائے پاکستان کو سال رواں کے انتخاب میں کوئی عہدہ نہیں دیا اور پھر اسے اس حد تک کارنر کر دیا کہ جمعیت نے قومی اتحاد کے اجلاسوں میں بھی شرکت کرنا بند کر دیا۔

قومی اتحاد کے قریبی ذرائع نہایت وثوق سے کہتے ہیں کہ جمعیت علمائے پاکستان تحریک استقلال کی طرح قومی اتحاد سے علیحدگی کے لیے کسی مناسب موقعہ کی تلاش میں ہے۔ عہدیداروں کا انتخاب تو ایک بہانہ ہے۔ ■

ڈو میڈیکل میں جمعیت شکست سے بال بال بچ گئی

ڈو میڈیکل کالج اور سندھ میڈیکل کالج میں بھی اس سال جامعہ کراچی کے انتخابات کی طرح سخت انتخابی معرکہ آرائی ہوئی۔ ڈو میڈیکل کالج جہاں گذشتہ کئی سال سے اسلامی جمعیت طلبہ کی یونین کامیاب ہو رہی ہے اس بار شکست سے بال بال بچی ہے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے نامزد کردہ صدارتی امیدوار رانا محمود اختر نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدارتی امیدوار افتخار یوسف کے مقابلے میں صرف سات ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر بھی ہر نشست پر سخت مقابلہ ہوا۔ اور چھ میں سے چار اہم نشستوں پر اسلامی جمعیت طلباء اور دو نشستوں پر نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ اس طرح ڈو میڈیکل کالج میں پچھلے پانچ سال سے اسلامی جمعیت طلباء کی جو مکمل اجارہ داری قائم ہے۔ اس سال سے اس میں شگاف پڑنا شروع ہو گئے ہیں۔ اسلامی جمعیت طلبہ جو گذشتہ سات سال تک ڈو میڈیکل کالج میں گذشتہ کئی سو ووٹوں کی اکثریت سے ہر نشست پر جیتتی تھی اُس کے لئے صرف سات ووٹوں کی اکثریت سے صدارتی نشست پر کامیابی اس بات کا سگنل ہے کہ مستقبل میں اُسے اور مشکل وقت کا سامنا کرنا پڑے گا

ادھر سندھ میڈیکل کالج میں جہاں گذشتہ سال نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی یونین کامیاب ہوئی تھی۔ اسلامی جمعیت طلباء کو ایک کے سوا ہر نشست پر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ یہاں اسلامی جمعیت طلبہ کی جیت کا سبب ترقی پسند اور نیشنلسٹ طلبہ تنظیموں میں کمزور اور قدرے تاخیر سے ہونے والا اتحاد ہے

جامعہ کراچی سمیت اب تک جن تعلیمی اداروں میں انتخابات ہوئے ہیں وہاں ایک بات نہایت واضح ہو کر سامنے آئی ہے کہ اگر ترقی پسند اور نیشنلسٹ طلباء تنظیمیں بروقت اور مضبوط بنیادوں پر اتحاد قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اُن کی اسلامی جمعیت طلباء کے مقابلے پر کامیابی یقینی ہوتی ہے اور اگر اتحاد میں تاخیر ہوا اور وہ مستحکم بنیادوں پر نہ قائم ہو تو اسلامی جمعیت طلباء کو اُن تعلیمی اداروں میں کامیابی کا موقعہ مل جاتا ہے۔

سابق وزیر مواصلات
ممتاز علی بھٹو کے خلاف
استغاثہ کے گواہ اور این ایس سی
کے سابق چیئرمین
اے ڈی احمد کا بیان

گوکل کی کمپنی یونی میرین

کوٹنڈر طلب کیے بغیر گندم کی شپمنٹ کا ٹھیکہ دیا گیا

گوکل نے اپنے دوست کو این ایس سی کا چیئرمین اور ایک ملازم کو نئی کارپوریشن کا کمرشیل ڈائریکٹر مقرر کیا

گواہ استغاثہ ۲۱ مسٹر اے ڈی کا بیان

جرح مدعا علیہ

میں شاہد اقبال کی درخواست دیکھتا ہوں جو این ایس سی کے مینجنگ ڈائریکٹر سے کی گئی تھی۔ اس پر یہ تصدیق تھی "یہ ازراہ کرم ان کا تقرر کر دیں"۔ اس پر مدعا علیہ کے دستخط اور ۲۰ اگست کی تاریخ تھی۔ اسے چیئرمین کے پاس بھیجا گیا تھا۔ یہ درخواست میرے پاس آئی اور میں نے اس پر ۲۳ اگست کی تاریخ کے ساتھ مختصر دستخط ثبت کر دیئے اور مارک کر کے مینجر ایڈمنسٹریشن کے پاس بھیج دیا۔ میں اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی پیش کرتا ہوں (اصل دیکھ کر مسٹر حقی کو واپس کر دیا۔) ایکس ۲۴

میں سعادت علی شمسی کی درخواست دیکھتا ہوں۔ جو چیئرمین پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن کے نام تھی۔ اس پر ایک تصدیق ہے "ازراہ کرم کلرک / ٹائپسٹ مقرر کر دیں"۔ اس پر مدعا علیہ کے دستخط ہیں۔ یہ درخواست میرے پاس فارورڈ کی گئی تھی۔ کیونکہ میں این ایس سی کا چیئرمین تھا۔ میں نے مارک کر کے مینجر ایڈمنسٹریشن کے پاس بھیج دیا۔ اصل دیکھنے کے بعد مسٹر حقی کے پاس بھیج دی۔ فوٹو اسٹیٹ کاپی ایکس ۲۵

میں تاج محمد کی درخواست دیکھتا ہوں جو مینجنگ ڈائریکٹر کے نام تھی، اس پر ایک تصدیق یوں ہے۔ "ازراہ کرم ان کے لئے گنجائش کی کوشش کیجئے"۔ اس پر مدعا علیہ کے دستخط تھے۔ اسے چیئرمین این ایس سی کے پاس فارورڈ گیا۔ جب یہ درخواست میرے پاس آئی تو میں نے اس پر ۱۰ اگست کی تاریخ کے ساتھ مختصر دستخط کر کے اسے مینجر ایڈمنسٹریشن کے پاس بھیج دیا۔ اصل دیکھنے کے بعد مسٹر حقی کے پاس بھیج دی۔ فوٹو اسٹیٹ کاپی ایکس ۲۶

میں جنگو خاں راجپوت کی درخواست دیکھتا ہوں جس میں این ایس سی کے چیئرمین کو مخاطب کیا گیا تھا اور جس پر "ازراہ کرم ان کے لئے گنجائش کی کوشش کیجئے"۔ کی تصدیق تھی اس پر مدعا علیہ کے دستخط ہیں۔ اسے چیئرمین این ایس سی کے پاس فارورڈ کیا گیا تھا۔ اس درخواست کے موصول ہوتے پر میں نے یہ نوٹ لکھا "آپ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟"۔ میں نے ۱۵ اپریل ۱۹۷۴ء کی تاریخ کے ساتھ اس پر اپنے مختصر دستخط کئے۔ اصل دیکھنے کے بعد مسٹر حقی کے پاس بھیج دی۔ فوٹو اسٹیٹ ایکس ۲۷ ہے

میں محمد امین کی درخواست دیکھتا ہوں جس میں مدعا علیہ کو مخاطب کیا گیا ہے اس پر تصدیق ہے "ازراہ کرم انہیں کوئی مناسب کام دیجئے"۔ اس پر مدعا علیہ کے دستخط ہیں اسے این ایس سی کے چیئرمین کے پاس فارورڈ کر دیا گیا اس درخواست کی سفارش ایم این اے او وزیر نے کی تھی۔ میرے پاس یہ درخواست ایک فارورڈنگ درخواست کے ساتھ بھیجی گئی تھی اور میں نے اس پر اپنے مختصر دستخط کر کے جنرل مینجر ایڈمنسٹریشن کے پاس بھیج دی۔ میں یہ درخواست نیز فارورڈنگ درخواست (دو ورق) کی اصل پیش کر رہا ہوں۔ ایکس ۲۸

میں عبدالجلیل کی درخواست دیکھتا ہوں جس میں چیئرمین این ایس سی کو مخاطب کیا گیا ہے اس پر یہ تصدیق ہے "میں سمجھتا ہوں اسے استعمال کیا جا سکتا ہے، ازراہ کرم اسے مقرر کر لیں"۔ اس پر مدعا علیہ کے دستخط ہیں۔ اسے چیئرمین این ایس سی کے پاس فارورڈ کیا گیا تھا۔ جب یہ میرے پاس پہنچی تو میں نے یہ نوٹ لکھا۔ "آپ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟"۔ میں نے اس پر ۱۲ جون ۱۹۷۴ء کی تاریخ کے ساتھ مختصر دستخط کر دیئے اور اسے جنرل مینجر ایڈمنسٹریشن کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے یہ نوٹ لکھا۔ "اگر منظور کیا جائے تو اسے ائیر کنڈیشننگ اور ریفریجریشن میکانک مقرر کیا جا سکتا ہے"۔

جب یہ درخواست میرے پاس آئی اس لئے کہ میں چیئرمین تھا تو میں نے لکھا "کیا ہمارے پاس ایسی جگہ ہے؟" میں نے اس پر ۲۵ جون ۱۹۷۵ء کی تاریخ کے ساتھ اپنے مختصر دستخط کر دیئے اور اسے جنرل منیجر ایڈمنسٹریشن کے پاس بھیج دیا۔ ۲۷ جون ۱۹۷۵ء کو جنرل منیجر نے یہ نوٹ لکھا "ہمارے پاس ایسی کوئی اسامی نہیں ہے تاہم اس امیدوار کو کھپانے کے لئے ہمیں ایئرکنڈیشننگ اور ریفریجریشن میکانک کی اسامی پیدا کرنی ہوگی" اصل دیکھ کر مسٹر حقی کے پاس واپس کر دی۔ فوٹو اسٹیٹ ایکس ۲۹ ہے۔

میں سلیم اختر کی درخواست دیکھتا ہوں جو منیجنگ ڈائریکٹر این ایس سی کے نام ہے جس پر توثیق کی گئی ہے کہ "از راہ کرم اس کے لئے مناسب گنجائش نکال دیجئے" اس پر مدعا علیہ نے ۱۵ فروری ۱۹۷۵ء کو دستخط کئے ہیں۔ میں نے اس پر یہ نوٹ لکھ کر "آپ کی تجویز کیا ہے؟" اسے جی۔ ایم ایڈمنسٹریشن کو بھیج دیا۔ میں اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ایکس۔ ۳۰ پیش کر رہا ہوں۔ اصل دیکھ کر مسٹر حقی کو واپس کر دیا، یہ تین اوراق پر مشتمل ہے۔

میں میاں شیر جان کی درخواست دیکھتا ہوں جو منیجنگ ڈائریکٹر این ایس سی کے نام ہے اس پر یہ توثیق ہے "از راہ کرم انہیں تقرری دیجئے" اس پر مدعا علیہ کے دستخط ہیں یہ منیجنگ ڈائریکٹر کے پاس بھیجا گیا۔ اس وقت منیجنگ ڈائریکٹر میں تھا۔ میں نے اسے اس نوٹ کے ساتھ جی ایم ایڈمنسٹریشن کو بھیج دیا "فائل" اصل دیکھ کر مسٹر حقی کے پاس لوٹا دی گئی۔ فوٹو اسٹیٹ ایکس ۳۱ ہے

میں مسٹر علی اکبر سومرو کی درخواست، ایک نوٹ کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ (دو اوراق پر مشتمل ہے) اس پر توثیق کی گئی ہے "کیا اس کی گنجائش نکل سکتی ہے؟" یہ مدعا علیہ کے نام تھا اور اسے میرے پاس بھیجا گیا تھا۔ میں نے اس پر نوٹ لکھا "جلد تبصرے کے لئے اسے منیجر ایڈمنسٹریشن کے پاس بھیج دیا اور ۲۲ ستمبر کی تاریخ کے ساتھ مختصر دستخط کر دیئے۔

ان دنوں میں چیئرمین اور این ایس سی کے منیجنگ ڈائریکٹر کے عہدوں پر فائز تھا۔ میں نے ایک نوٹ لکھا جسے ٹائپ کیا گیا تھا کہ ایسی کوئی اسامی نہیں ہے۔ اسے مدعا علیہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ انہوں نے یہ نوٹ لکھا "از راہ کرم انہیں مطلع کر دیں کہ کوئی اسامی نہیں ہے۔" اس پر مدعا علیہ کے دستخط اور ۱۵ اکتوبر کی تاریخ ہے۔ میں فوٹو اسٹیٹ ایکس ۳۲ پیش کر رہا ہوں۔

میں ۱۳ درخواستوں سے متعلق جو ان میں درج شدہ اشخاص کے ناموں سے ہیں اپنا ایک نوٹ دیکھتا ہوں۔ میں اپنا تیار کردہ یہ نوٹ لے کر خود

جتوئی نے وزیر مواصلات کی

حیثیت سے متعدد افراد کو

این ایس سی میں ملازم رکھا تھا

مدعا علیہ کے پاس گیا اور انہیں ذاتی طور پر اس وقت کی پوزیشن سے آگاہ کیا۔ اس پر مدعا علیہ نے لکھا "کوئی اسامی پیدا نہیں کی جا سکتی۔ صرف خالی اسامیوں کو پُر کیجئے۔" اس نوٹ پر مدعا علیہ کے ۲۷ جولائی کے دستخط ہیں۔ اصل دیکھنے کے بعد مسٹر حقی کو لوٹا دی۔ فوٹو اسٹیٹ ایکس ۳۳ ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ جن درخواست گزاروں نے ایکس ۲۷ تا ۳۳ کی درخواستیں پیش کیں انہیں این ایس سی میں ان اسامیوں پر مقرر کیا گیا یا نہیں۔

س:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ مدعا علیہ کے خصوصی احکامات کے باوجود درخواست گزاروں (ایکس ۲۷ تا ۳۳) میں سے کسی کو بھی این ایس سی کے کسی عہدے پر مقرر نہیں کیا گیا؟

جواب:۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا اس لئے کہ میرے پاس ہر درخواست دہندہ کی تقرری سے متعلق فائل موجود نہیں۔

س:۔ کیا آپ نے اپنی خاص جرح کے دوران ان درخواست کنندوں میں سے کسی کا خط تقرر دیکھا ہے۔؟

ج:۔ میں نے ان درخواست دہندوں میں سے کسی کا کوئی خط تقرر نہ تو دیکھا ہے نہ ہی کسی کا حوالہ دیا ہے۔

میں وائس ایڈمیرل ایس ایم احسن چیئرمین این ایس سی کا ایک نوٹ دیکھتا ہوں جو مسٹر علی حسن منگھانی کے این ایس سی میں تقرر سے متعلق ہے۔ درخواست کنندے کو اس عہدے کی پیشکش کی گئی تھی۔ جسے قبول کرنے سے اس نے انکار کیا۔ یہ اطلاع مدعا علیہ کو دی گئی جس پر انہوں نے لکھا "بہت خراب ہے" اور اپنے دستخط کر دیئے۔ اصل دیکھ کر لوٹا دی گئی۔ فوٹو اسٹیٹ ایکس ۳۴ ہے۔

میں محمد اسلم کی درخواست دیکھتا ہوں جس نے ٹائپسٹ کی جگہ کے لئے درخواست کی تھی۔ اس درخواست میں منیجنگ ڈائریکٹر این ایس سی کو مخاطب کیا گیا تھا۔ اس وقت منیجنگ ڈائریکٹر میں تھا۔ میں نے یہ نوٹ لکھا "دیکھو اگر وہ ٹائپسٹ کے لائق ہو" اسے ۱۴ جون ۱۹۷۵ء کو ٹائپنگ کے ٹیسٹ کے لئے طلب کیا گیا۔ جب اس کی درخواست اور ٹائپنگ ٹیسٹ ایک نوٹ کے ساتھ میرے سامنے لایا گیا تو میں نے ممبر فنانس کو لکھا "اگر وہ اچھا ہے اور آپ کے پاس کوئی جگہ ہے تو اسے ایک موقع دیا جا سکتا ہے از راہ کرم ممبر فنانس بھی اسے دیکھیں اور اپنی رائے ظاہر کریں۔ میں نے اس پر ۱۸ جون کو اپنے مختصر دستخط کئے۔ ایم۔ ایف نے جواب میں مجھے لکھا "کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ ایم ڈی تعلیمی صلاحیت کی ضروری ہونا ختم کر دیں۔" انہوں نے ۹ جولائی کو اس پر دستخط کئے میں نے اس سلسلے میں ایم۔ ایف سے بات کی اس کے بعد یہ نوٹ لکھا۔ "اس کیس میں اس شرط میں تخفیف کی جا سکتی ہے اور اسے مقرر کیا جا سکتا ہے۔ یہ نوٹ میں نے ۱۰ جولائی کو لکھا اس کے بعد درخواست دہندے کا تقرر ہو گیا۔

میں درخواست گزار کے ٹائپنگ ٹیسٹ اور اس کے

مدعا علیہ نے اپنے دوستوں اور اقربا کو رعایت دینے کے احکامات دیئے تھے

نوٹ (چار اوراق پر مشتمل) بمطابق ایکس پی-۳۵ پیش کرتا ہوں۔

میں ایکس پی-۳ دیکھتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ درخواست دہندہ نے مزدور/مددگار کی جگہ کے لئے درخواست کی تھی۔ میں درخواست کے گریڈ کے متعلق نہیں کہہ سکتا نہ ہی اس کی ماہانہ تنخواہ کے متعلق کچھ کہہ سکتا ہوں۔ یہ تقرر این ایس سی کے سروس رولز کے تحت آتا ہے۔

ایکس پی-۳ کو دیکھ کر یہی کہہ سکتا ہوں کہ درخواست دہندے کو ورکشاپ میں بطور ایک مزدور مقرر کیا گیا تھا۔ اسے مستقل بنیاد پر مقرر کیا گیا تھا اور اس کا کیس این ایس سی کے سروس رولز کے تحت آتا تھا۔ چونکہ یہ جگہ پیدا کی گئی تھی اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اسے مستقلاً ہی لیا گیا ہوگا۔ میں نیشنل شپنگ کارپوریشن (سروس) ریگولیشنز ۱۹۶۵ء کا باب ۱ دیکھتا ہوں اور دفعہ ۱ (۳۱ سوم اے) کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ ان ضوابط کا اطلاق تمام ملازمین پر ہوگا۔ ان میں وہ ملازمین بھی شامل ہوں گے جو پاکستان سے باہر کارپوریشن کے اداروں میں کام کر رہے ہوں اور جو کارپوریشن کے لیڈ ٹوں اور بحروں میں کام کرتے ہوں۔ لیکن

این۔ ایس سی کے ورکشاپ میں کام کرنے والوں پر اس کا اطلاق نہ ہوگا۔ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں یہ درخواست ایکس پی-۳ پانچ افسروں کے پاس سے گذری اور کارروائی گئی اور بعض کے پاس نوٹنگ کے لئے دو دو بار گئی۔ یہ صحیح ہے کہ ورکشاپ منیجر نے اس جگہ کی تخلیق کی تجویز کی تھی اور میں اس سے متفق ہوا تھا۔ اس طرح تقرر کے احکام منظور کئے گئے۔ مدعا علیہ کے پاس یہ درخواست یا کیس یکم مئی ۱۹۷۵ء کی توثیق کے بعد دوبارہ نہیں بھیجی گئی۔

میں مدعا علیہ کی تحریر اور دستخط پہچانتا ہوں۔

میں ایکس ڈی-۲ سید علی شاہ کی درخواست دیکھتا ہوں میں تصدیق کو دیکھتا ہوں جو مدعا علیہ کے ہاتھ کی تحریر نہیں ہے اسے نیلی پنسل سے گھیر دیا گیا ہے لیکن دستخط مدعا علیہ ہی کے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اس مہر کے اوپر ہے جس میں مدعا علیہ کا نام اور اس کے وزارتی محکمہ کا نام درج ہے میں ایکس ڈی-۵ کو دیکھتا ہوں اور ایکس ڈی-۵ پر نیلی پنسل سے جس دستخط کے گرد دائرہ ڈال دیا گیا ہے نیز جس پر مہر ماری گئی ہے اس کا موازنہ کرتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ مدعا علیہ کے ایکس ڈی-۵ پر جو دستخط ہیں وہ ایکس ڈی-۲ کے اوپر کے دستخط سے نہیں ملتے یہ درست ہے کہ مدعا علیہ کا ایک پرائیویٹ سکریٹری بھی تھا جس کا نام عبدالمالک تھا یہ صحیح ہے کہ عبدالمالک کو اس الزام میں گرفتار کیا گیا تھا کہ اس نے مدعا علیہ کے دستخط میں جعل کیا تھا جہاں تک این ایس سی سروس رولز ۱۹۶۵ء کے اطلاق کا سوال ہے تو درخواست ایکس ڈی-۴ بھی ایکس ڈی-۵ ہی کے درجے میں آتی ہے یہ صحیح ہے کہ ایکس ڈی-۵، ڈی-۶ اور ڈی-۷ کا تعلق ورکشاپ میں تقرری سے ہے اور یہ کیس نیز ایکس ڈی-۳ اور ڈی-۴ کی درخواستوں کے کیس کا تعلق ورکشاپ کے ورکروں سے ہے جن پر سروس رولز کا اطلاق نہیں ہوتا میں ایکس ڈی-۵ اور ورکشاپ منیجر کے نوٹ کو دیکھتا ہوں اس نے ایک نوٹ لکھا تھا جس کا ذکر میں اپنی خاص جرح میں کر چکا ہوں مدعا علیہ نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو جب درخواستیں چیئرمین این ایس سی یعنی میرے پاس توثیق کے بعد بھیج دیں تو میں نے ایکس ڈی-۵ اور ڈی-۶ کو اس کے پاس دوبارہ نہیں بھیجا یہی معاملہ ایکس ڈی-۷ کے ساتھ بھی ہوا مدعا علیہ نے جب اس کی توثیق مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۷۷ء کے بعد اسے میرے پاس بھیج دیا تو میں نے اسے اس کے پاس واپس نہیں بھیجا بحیثیت وزیر مواصلات مدعا علیہ کے پیشرو مسٹر خورشید حسن میر تھے ان سے پہلے مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی بھی وزیر مواصلات رہ چکے تھے جن دنوں غلام مصطفےٰ جتوئی وزیر مواصلات تھے ان دنوں میں چونکہ این ایس سی میں نہیں تھا۔ اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے این ایس سی میں سینکڑوں افراد کو ملازمت دینے کا حکم دیا تھا یا نہیں میں نے اپنے عہدے کی مدت کے دوران این ایس سی کے ملازمین کی پرسنل فائلوں میں ایسی متعدد درخواستیں دیکھیں جن کی تقرریاں مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی کے حکم سے ہوئی تھیں یہ میں نہیں جانتا کہ جن درخواست کنندوں کی تقرریاں نہیں ہوئیں ان سے مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی ناراض تھے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی نے جن درخواستوں کی توثیق کی تھی انہیں مقرر نہ کئے جانے پر وہ ناراض ہوئے ہوں میں ایک شخص محمد اسلم خان کی درخواست مورخہ ۱۹ جون ۱۹۷۳ء دیکھتا ہوں جن پر چند توثیقات ہیں لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس کی تحریریں ہیں کیونکہ میں ان دنوں این ایس سی میں کسی حیثیت سے بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے لگ بھگ ۱۵ اپریل ۱۹۷۸ء کو این ایس سی چھوڑ دیا مجھے یاد نہیں کہ این ایس سی میں کچھ عہدوں پر عارضی یا مستقل بنیاد پر کچھ تقرریاں یا کچھ نئے عہدوں کی تخلیق جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس وقت تک کی گئی ہوں جب تک کہ میں این ایس سی میں کام کرتا رہا یہ صحیح ہے کہ مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد مسٹر مصطفےٰ گوگل بندرگاہ اور جہاز رانی سمیت این ایس سی کے انچارج ہیں یہ صحیح نہیں کہ جب تک میں وہاں رہا مسٹر گوگل نے کسی درخواست کنندے کی خود تقرری کی ہو یا کسی کے لئے حکم دیا ہو یا سفارش کی ہو یہ صحیح ہے کہ جس دن میں نے این ایس سی چھوڑا اس دن ایک نئے چیئرمین کا تقرر ہوا جس نے مجھ سے اور چیئرمین پاکستان شپنگ کارپوریشن سے چارج لیا۔ نئے چیئرمین ایڈ ایڈمیرل ایل این منگوائن تھے وہ لندن

میں تھے تب ہی ان کا تقرر ہوا میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ چیئرمین مسٹر گوگل کے دوست ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حکومت نے ایک نیا بورڈ آف ڈائریکٹرز مقرر کیا ہے میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ کیپٹن ایم جے بیگ کو نئی کارپوریشن پی این ایس سی میں کمرشل ڈائریکٹر مقرر کیا گیا ہے یہ صحیح ہے کہ کیپٹن ایم جے بیگ گوگل شپنگ اینڈ ٹریڈنگ کارپوریشن پاکستان کراچی کے ڈائریکٹر تھے

الزام نمبر ۴

الزام نمبر ۴ کا حوالہ دیتے ہوئے میں اپنی بہترین معلومات کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جن لوگوں کو مدعا علیہ نے مبینہ طور پر ترقی دی وہ اس سے تعلق رکھتے تھے میں نہیں جانتا کہ آیا وہ سب مدعا علیہ کے دوست تھے یا اس کی پارٹی کے لوگ تھے یہ صحیح ہے کہ مدعا علیہ نے انتظامی حکم نمبر ۴۷/۴۳ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۴ء جاری کرنے کا حکم دیا تھا جس میں تمام متعلقہ لوگوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی گئی کہ کوئی بھی سرکاری ملازم، ملازمت کے سلسلے میں پیدا ہونے والے کسی دعوے کی حمایت میں حکومت یا کسی سرکاری ملازم پر بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی سیاسی یا کوئی اور بیرونی اثر نہیں ڈالے گا نہ ڈالنے کی کوشش کرے گا، ایسے سرکاری ملازمین کے خلاف جو تبادلہ و ترقی کے معاملات پر کوئی اثر ڈالنے کی کوشش کریں گے معقول تادیبی کاروائی کی جائے گی۔ میں اس حکم کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ایکس نمبر ۳۶ پیش کرتا ہوں یہ صحیح ہے کہ مدعا علیہ نے میرے پاس یہ نوٹ بھیجا تھا کہ اس کے دوستوں اور رشتہ داروں کو کسی طرح بھی کوئی رعایت نہ دی جائے۔ جب کبھی کسی کی تقرری یا ترقی سے متعلق مدعا علیہ کی توثیق کردہ معاملہ اس کے پاس واپس کیا جاتا تو وہ میرے ہر نوٹ سے متفق نہ ہوتا۔ کسی تقرری یا ترقی کے سلسلہ میں اس وقت کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ مدعا علیہ میرے نوٹ سے متفق نہیں ہوا تھا۔

میں ایکس نمبر ۸، نمبر ۹، اور نمبر ۱۰ دیکھتا ہوں ان کا تعلق قاضی اشرف کی تقرری اور ترقی سے ہے یہ صحیح ہے کہ وزیر مواصلات کے کام کا بڑا حصہ کراچی میں واقع ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وزیر مواصلات کا دفتر این ایس سی کی خاص عمارت میں واقع ہے مسٹر بھٹو کی اور مسٹر گوگل دونوں کے زیر استعمال وہی دفتر رہا ہے جو این ایس سی بلڈنگ میں واقع ہے اور جسے مدعا علیہ استعمال کرتا ہے مجھے یاد نہیں کہ جب مدعا علیہ نے وزیر مواصلات کی حیثیت سے چارج سنبھالا تو مسٹر فاروق کو حکومت سندھ سے ڈیپوٹیشن پر لے کر اس دفتر کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کیا گیا تھا یہ صحیح ہے کہ جب مدعا علیہ وزیر تھا تو سینکڑوں لوگوں کا کام نمٹاتا تھا یہ بھی صحیح ہے کہ اس کے دفتر کا ٹیلی فون بیشتر اوقات بہت زیادہ مصروف رہتا یہ صحیح ہے کہ دن کے وقت مدعا علیہ اپنا دفتری کام کیا کرتا جس میں جلسوں میں شرکت وزارت کے محکموں کے سربراہوں کے ساتھ جدا جدا بات چیت اس کے علاوہ دورے کیا کرتا وزارت کے ماتحت اداروں کا معائنہ کرتا اور ضخیم فائلوں سے نمٹتا دفتری کام کرنے کے لئے مدعا علیہ رات کے وقت دیر تک اپنے دفتر میں قیام کرتا وہ صبح سویرے اپنے دفتر کا کام شروع کرتا مدعا علیہ کے دفتر کے عمال کے کام کے وقت بھی یہی ہوتا۔ مدعا علیہ کے ساتھ اس کا پرائیویٹ سکریٹری ہوا کرتا اور بسا اوقات جب وہ اسلام آباد سے کراچی جاتا تو اسسٹنٹ سکرٹری بھی ساتھ ہوتا۔ مدعا علیہ جب کراچی کا دورہ کرتا تو وہ ٹی اینڈ ٹی اور پوسٹ آفس کے افسروں کو بھی اپنی مدد کے لئے بلاتا۔ میں جانتا ہوں کہ مدعا علیہ نے کے پی ٹی شپ یارڈ، این ایس سی اور ٹی اینڈ ٹی کے لئے رابطہ افسر مقرر کر رکھے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اب بھی ہیں یا نہیں۔ ان محکموں کے رابطہ افسر براہ راست مدعا علیہ سے رابطہ رکھتے تھے تاکہ ان محکموں کے کاموں سے نمٹا جا سکے۔

قاضی اشرف (ایکس نمبر ۸، نمبر ۹، نمبر ۱۰) کی تقرری سے متعلق ان کی درخواست بہت سارے افسروں کے پاس سے گزری، جن کا حوالہ ایکس نمبر ۸ میں دیا گیا ہے یہ درخواست بورڈ کے ممبروں نیز اس وقت کے چیئرمین، منیجنگ ڈائریکٹر اور چیف ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے پاس بھی گئی تھی جس نے تقرری کا حکم جاری کیا یہ صحیح ہے کہ قاضی اشرف کو رابطہ افسر مقرر کیا گیا تھا اور وہی مدعا علیہ کے دفتر کا بھی انچارج تھا۔

میں ایکس نمبر ۱۲ دیکھتا ہوں یہ صحیح ہے کہ چیف ایڈمنسٹریٹو آفیسر کا عہدہ اس وقت خالی تھا جب آغا نور نبی نے اس کے لئے درخواست کی تھی یہ صحیح ہے کہ مدعا علیہ بندرگاہ اور جہاز رانی کے پورے ادارے کی از سر نو تنظیم کر رہا تھا مدعا علیہ نے پی ایس سی کی از سر نو تنظیم کی تھی اور این ایس سی کی از سر نو تنظیم کا منصوبہ حکومت سے تقریباً طے پا چکا تھا یہ صحیح ہے کہ پی ایس سی اور این ایس سی کی از سر نو تنظیم کرتے ہوئے ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے عہدے کا درجہ بڑھا دیا گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مدعا علیہ سے جب میری ملاقات ہوئی تھی تو اس نے کے پی ٹی اور پی ایس سی کے ایڈمنسٹریٹو افسروں کے درجے بڑھائے جانے کی روشنی میں این ایس سی کے ایڈمنسٹریٹو افیسر کے عہدے درجہ بھی بڑھانے کا ذکر کیا تھا۔ میں ایڈمنسٹریٹو آرڈر نمبر ۷۸/۹ دیکھتا ہوں۔ جسے میں نے این ایس سی کے چیئرمین کی حیثیت سے پاس کیا تھا۔ میں وہ آرڈر ایکس نمبر ۲۷ پیش کرتا ہوں۔ اس کی اصل دیکھنے کے بعد مستدعی کو لوٹا دی گئی۔ اس آرڈر کے ذریعہ میں نے بعض افراد کے عہدے گھٹا دیئے تھے اور بعض کے بڑھا دیئے تھے یہ کاروائی حکومت کی ہدایات پر کی گئی تھی۔

الزام نمبر ۱۱

میں مسٹر احسن محمود کو جانتا ہوں اس کا مدعا علیہ سے براہ راست تعلق نہیں۔ میں مسٹر احسن محمود کو طویل عرصے سے جانتا ہوں وہ مدعا علیہ کے بھائی مسٹر عاشق علی بھٹو کے خسر ہیں یہ صحیح ہے کہ میں مسٹر عاشق علی بھٹو کو اس وقت سے جانتا ہوں جب کہ میں مدعا علیہ کو نہیں جانتا تھا مسٹر عاشق علی بھٹو، مدعا علیہ کے وزیر مواصلات ہونے سے پہلے کاروبار کر رہے تھے یہ صحیح ہے کہ میسرز نیشنل کارگو سروس

باقی صفحہ ۵۰ پہ

پاکستان کی سیاسی صورت حال پر برطانوی اخبار نگار جین کا تبصرہ

ایک ہی راستہ ــــــ انتخابات

بھٹو کو پھانسی دے دی گئی تو ایران پاکستان سے تعلقات منقطع کرلیگا

اگر ایران کے مستقبل کا انحصار ایک شخص کے دل کی دھڑکنوں پر ہے تو بالکل اُسی طرح پاکستان کے مستقبل کا انحصار ایک شخص کی گردن پر ہے۔ وہ دھڑکتا ہوا دل یقیناً شاہ کا ہے۔ وہ بڑی شدت سے دھڑک رہا ہے تو وہ گردن مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی ہے جس میں پھندا پڑنے میں محض چند عدالتی ہفتوں کی دیر رہ گئی ہو۔ دو ماہ پہلے ایک مبصر ایران، پاکستان اور افغانستان کے مثلث میں ایک اور دھڑکتا ہوا دل دیکھ سکتا تھا جو صدر داؤد کا دل تھا لیکن اب ایک خونریز اور فیصلہ کن انقلاب کے بعد اس نے دھڑکنا چھوڑ دیا ہے ایک گر چکا ہے اور دو جانے کو ہیں۔

دن گذرنے کے ساتھ ساتھ مسٹر بھٹو کی حیثیت مرکزی ہوتی جارہی ہے۔ تین یا چار ہفتوں کے اندر پاکستان سپریم کورٹ جو ایک مقدمہ قتل کے فیصلے پر اُن کی اپیل کی سماعت کررہی ہے۔ اِس طرف یا اُس طرف کوئی ایک فیصلہ کردے گی۔ پانچ یا چھ ہفتوں کے اندر پاکستان کے فوجی حکمرانوں کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آیا انھیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ یا سزا میں تخفیف کردی جائے۔ یہ ایک فیصلہ کن وقت ہے پاکستان میں ایک سطح پر بھٹو کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے اطمینان کا اظہار کیا جارہا ہے۔ اپنے دورِ حکومت میں انہوں نے جن سیاست دانوں کو بغض و عداوت کی بناء پر پریشان کیا تھا وہ اب ان کی بدحالی پر مطمئن ہیں۔ آج وہ کیڑے مکوڑوں سے بھرے سیل کی شکایت کررہے ہیں؟ لیکن کچھ سیاست دان ان کے دور میں بھی قید و بند کے ایسے ہی المناک مصائب جھیل چکے ہیں۔ آج وہ انصاف میں دھاندلی کی شکایت کررہے ہیں؟ لیکن آج وہ اپنی ہی بوئی ہوئی فصل کاٹ رہے ہیں۔ یہ ایک عظیم مکافاتِ عمل ہے اس لئے ان پر کوئی بھی آنسو نہیں بہاتا۔ بہرحال انتقامی جذبات سے بلند ہوکر دیکھنا یہ ہے کہ کیا بھٹو کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے یا سالہا سال تک گرمیاں گذارنے کے لئے انہیں سکھر جیل میں چھوڑ دیا جائے۔

رائے عامہ سے متعلق سمجھدار پاکستانیوں کی بھی رائے مختلف ہے۔ سب اس بات پر متفق ہیں کہ انکے ملک میں غیر مقبول طور پر سکون پایا جاتا ہے کم ہی لوگ ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ بھٹو کو پھانسی دینے پر اندرونی طور پر کوئی خلفشار برپا ہوگا۔ لیکن یہ پوچھنے پر کہ اگر کل کو آزادانہ انتخاب ہوں اور دو متحارب نظریات ابھر آئیں اس وقت کیا ہوگا ایک اگر یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ قوم بھٹو کی بدعنوانیوں سے اس قدر نالاں ہے کہ انتخابات میں اس کی پارٹی کا بالکل صفایا ہوجائے گا تو دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ شہروں اور دیہات پر فوجی حکومت کے بے ڈھنگے پن کا ایسا اثر پڑا ہے کہ بھٹو کو ۱۹۷۰ سے بھی زیادہ بڑی کامیابی حاصل ہوگی۔

اس طرح جنرل ضیاء الحق خود کو ایک تکلیف دہ صورت حال میں پھنسا ہوا دیکھ رہے ہیں جیسا کہ وہ بار بار کہہ چکے ہیں۔ وہ ایک سیدھے سادے سپاہی ہیں اُن کا تعلق پاکستانی فوج کے اس بازو سے ہے جو کسی کھلی ہوئی سیاسی آرزو رکھنے کے بجائے پیشہ وارانہ کارکردگی پر انحصار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو نے سب کو چھوڑ کر انہیں کو چیف آف اسٹاف مقرر کیا تھا۔ کہ یہ انہیں قطعی غیر سیاسی نظر آئے تھے وہ بڑے سادہ دل غیر سیاسی آدمی ہیں۔ اُن کی اس سادگی کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ فوجی حکومت کے دوران وہ پاکستان کو بدعنوانیوں سے پاک کرنے اور انتظامیہ کو تیز تر، درست اور بہتر بنانے کے لئے جو تدبیریں اختیار کرتے ہیں ان میں بے تحاشا فروگذاشت اور سادہ لوحی ہوتی ہے گرچہ سادگی بھی ایک قوت رکھتی ہے۔ اور اس سے ان کی دیانتداری ظاہر ہوتی ہے مثال کے طور پر اُن کا یہ فیصلہ کہ بھٹو کے خلاف فوجی عدالت میں سرسری طور پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا۔ ان کی جراءت کا مظہر ہے۔ اس سے انہیں کچھ لوگوں کی ستائش حاصل ہوئی لیکن سیاسی خواہشات رکھنے والے یقیناً اس فیصلے پر مشتعل ہوتے ہوں گے۔ اس وقت حالات اُن کے قابو میں ہیں لیکن اگر بھٹو کو معاف کرنے کی کوئی تحریک ہوئی تو اس سے ایک اور فوجی انقلاب کی راہ ہموار ہوتی ہے اور ایسے فوجی سامنے آسکتے ہیں جو زیادہ سیدھے سادے

یہ بحران افریقہ سے بھی زیادہ سنگین ثابت ہو سکتا ہے

نہ ہوں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر پھانسی دی گئی۔ تو بین الاقوامی نکتہ چینی کی ایسی زوردار موجیں اٹھیں گی کہ شاید کوئی اور جنرل اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ضرب لگانے کو سوچے۔ اس طرح جنرل ضیا الحق اس وقت پوری طرح پس و پیش میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ بیرک میں واپس جانا پسند کرتے ہوں گے لیکن الیکشن سے پہلے وہ سکون کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ کوئی ایسا الیکشن جس میں بھٹو کے حامیوں کو کامیاب ہونے کا موقع مل جائے گا۔ ان کے لئے رسوائی اور مقید بھٹو کی رہائی کا باعث ہو سکتا ہے اس سے ضیا کی گردن پھنس جاتے گی۔

دریں اثناء افغانستان جس کی سرحدیں پاکستان کے دو پرآشوب صوبوں۔ بلوچستان اور سرحد سے ملتی ہیں۔ ایک کمیونسٹ فوجی انقلاب کا شکار ہو گیا ہے جنرل ضیا کے کچھ مشیر انہیں ٹھنڈے دل سے اس کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن کابل میں مسٹر ترہ کی ان کے لئے اس وقت زیادہ پریشان کن بن سکتے ہیں جو اس فوج پر جو ابھی ان کی زیادہ وفادار نہیں قابو پالیں گے اس وقت وہ پختونستان کے لئے ایندھن فراہم کر سکتے ہیں لیکن ابھی اس میں کچھ تاخیر ہو سکتی ہے بعض لوگ درہ خیبر کے دہانے پر ایک مارکسسٹ انقلاب کو منہ پھاڑے کھڑا دیکھ رہے ہیں۔ اگر اس وقت بلوچستان میں الیکشن ہو تو یقیناً وہ مقامی بلوچ لیڈر سامنے آجائیں گے۔ جو علیحدگی پسند بلوچ لیڈر بن کر ابھر سکتے ہیں۔ اور یہ شاہ ایران کے لئے بڑی تشویش کا باعث ہو گا۔ کیونکہ بلوچستان کی وسیع سرحد ایران سے ملتی ہے لیکن اسی کے ساتھ شاہ ایران نے حال ہی میں یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو تعلقات قطعی طور پر منقطع کر لئے جائیں گے اور وہ امداد بند ہو جائے گی جس کی پاکستان کو شدید ضرورت ہے۔

شاہ ایران بھٹو کو کیوں بچانا چاہتے ہیں؟ شاید اس لئے کہ وہ ذاتی طور پر ان کے دوست ہیں۔ شاید اس لئے بھی کہ جب مسٹر بھٹو برسر اقتدار تھے تو انھوں نے بلوچستان کو سختی سے دبا دیا تھا۔ اور شاہ کے نزدیک کسی کو مطیع بنانے کا واحد ذریعہ سختی ہے لیکن جنرل ضیا کو معلوم ہے کہ روس کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ بات اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ بھٹو کو دوبارہ برسر اقتدار لایا جائے۔ بھٹو کے واپس آنے پر ملک کے پرآشوب صوبوں میں ازسرنو مظاہرے ہونے لگیں گے۔ اس طرح بلوچی گوریلوں کو افغانستان میں تربیت حاصل ہونے لگے گی اور وہ تربیت پا کر انتقام پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس طرح سنٹو کے قلب سے لیکر نزدیکی سمندروں تک ایک زبردست ضرب پڑے گی اور ایک ایسا بحران پیدا ہو سکتا ہے کہ جو افریقہ کے بحران سے بھی زیادہ سنگین ہو۔

اب دو سوال انتہائی ضروری ہیں ایک یہ کہ کیا بھٹو کو مرنا چاہیئے؟ اور دوسرا یہ کہ کیا انتخاب کب ہونا چاہیئے؟ فی الحال سابق وزیراعظم کی گردن سپریم کورٹ میں پھنسی ہوئی ہے گرچہ اس کی لامحدود غیر جانبداری کا پرزور اعتراف کیا جاتا ہے لیکن اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ضیا کی خواہش پر منحصر ہے۔ وہ بھٹو کی موت کا اختیار نہیں دے سکتے خواہ جو کچھ بھی ہو لیکن ایک ایسے وقت جب کہ ملک کے سامنے مارکسسٹ خطرہ موجود ہے۔ بھٹو جیسے سیاستدان کو مار ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مسٹر بھٹو پاکستان پر حکمرانی کرنے کی خاطر چاہے جتنی بھی ترکیبیں لگاتے رہے ہوں لیکن اب ضیا کو بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ پاکستان پر حکومت کرنے کا مطلب ہی ترکیبیں لڑانا ہے۔ ایک ایسے سیاستدان کو جس نے خواہ انتخابات میں دھاندلی ہی کیوں نہ کی ہو مگر دوبارہ عوام کی رائے سے منتخب ہو چکا ہو اور تیسری مرتبہ بھی منتخب ہونے کے امکانات رکھتا ہو۔ اگر مار ڈالا جائے تو جمہوریت کی طرف دیرپا رجعت نہیں ہو سکتی۔ اسے اسی طرح قید میں رکھا جاسکتا ہے۔ جس طرح اس نے اپنے مخالف سیاستدانوں کو رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن اس کی موت جس سے بظاہر حکومت کے چند مسائل حل ہوتے نظر آتے ہیں۔ بالآخر حالات کو خراب کر سکتی ہے۔

انتخابات محض خواہش ہی نہیں بلکہ ضرورت ہیں۔ اور یہی ایک راستہ ہے ایوب خان کی "محدود جمہوریت" کے دور سے اب تک پاکستان کے عام لوگوں کو مقامی حق خود اختیاری کے تحت اپنے نمائندے منتخب کرنے کا موقعہ نہیں ملا ہے۔ افسر شاہی یکے بعد دیگر بلدیات کے فرائض انجام دیتی چلی آرہی ہے اور نہایت ہی برے طریقے سے دے رہی ہے۔ اس لیے اگر آئندہ ستمبر میں پاکستان میں مقامی حق خود اختیاری کے تحت بلدیاتی انتخابات ہوں تو اس سے پاکستانی عوام کی بے چینی بڑی حد تک کم ہو جائے گی۔ اس انتخاب کے بعد فوج کم از کم بلدیاتی نظامت سے الگ ہو سکتی ہے۔ اور ان کی جگہ منتخب نمائندے لے سکتے ہیں اس کے چھ ماہ بعد صوبائی انتخابات کرا کر قومی سیاستدانوں کو اس میں پنجہ آزمائی کے لیے اتارا جا سکتا ہے۔ پھر اس کے چھ مہینے بعد عام انتخابات کرائے جاسکتے ہیں اس طرح بنیاد سے لے کر چوٹی تک جمہوریت کا عمل پورا کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح جو جمہوریت قائم ہوگی وہ روس سے درآمد کردہ نظام سے کہیں زیادہ بہتر اور مستحکم ہوگی۔

یقیناً اتنا زیادہ وقت نہیں ہے کہ اس قدر آرام کے ساتھ یہ عمل پورا کیا جائے اور فوجی قیادت مرحلہ وار تخلیہ کرے تاہم اگر اس پروگرام کا اعلان کر دیا جاتے تو اس سے بڑی توقعات وابستہ ہو سکتی ہیں۔ فی الحال تو اس کے ایک دانشور کے بقول یہ کیفیت ہے کہ ــــ "ہم بس نیچے کی طرف چلے جارہے ہیں پھر بھی تہہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا" یہ تہہ خانہ جنگی ہو سکتی ہے، کمیونسٹوں کی مداخلت ہو سکتی ہے استیصال ہو سکتا ہے، ایک ایسا استیصال جس کی صدائے بازگشت مشرق وسطی میں سنی جارہی ہے شاید اسے روکا جاسکتا ہے۔ لیکن بھٹو کو پھانسی دے کر یا ایک کے بعد دوسرے جنرل کو لاکر نہیں۔

OO

سپریم کورٹ میں سابق ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو راؤ عبدالرشید کا بیان حلفی ۲

میں نے وزیراعظم کو جنرلوں کی سازش سے

خبردار کر دیا تھا

بھٹو کے خلاف گواہی دینے کے لئے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی گئی

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نواب محمد احمد خان کے قتل اور ایف آئی آر میں وزیراعظم کے نام کی شمولیت کے بعد ہی مسٹر بھٹو نے میرے مشورے کے خلاف اور ان کی باری آئے بغیر ہی مسٹر اصغر خان کو ترقی دیکر ڈی آئی جی بنا دیا۔ میں صوبے کا انسپکٹر جنرل تھا اور مسٹر بھٹو ایف آئی آر میں اپنے نام کی شمولیت کے لئے مجھے بھی ذمہ دار ٹھہرا سکتے تھے لیکن انہوں نے میرے یا پاس کسی ماتحت کے خلاف کبھی کسی خفگی یا عداوت کا اظہار نہیں کیا اس کے برعکس مسٹر بھٹو نے مجھے وکیل خان کو اور اصغر خان کو جو اس وقت اس معاملے کے ذمہ دار افسر تھے باری کے خلاف ترقیاں دیں۔ مسٹر وکیل خان اور مسٹر اصغر خان کو دوسرے فائدے بھی حاصل ہوئے ثانیاً اور یہی زیادہ اہم ہے کہ نواب احمد خان کے قتل کے فوراً بعد لاہور پولیس لائن نے مسٹر اصغر خان کے کرخت برتاؤ، گالی گلوچ اور غیر افسرانہ طرز عمل کے خلاف ہڑتال کر دی تھی میں نے اس کا ذمہ دار خود ان کو ٹھہرایا اور فل اسکیپ سائز کے ایک پورے صفحے پر مشتمل ان کے خلاف سالانہ رپورٹ دی۔ جس میں ان کی خرابیاں بتائیں اور یہ بتا دیا کہ کوئی بیرونی کام مسٹر اصغر خان کے سپرد کرنا خطرناک ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر اصغر خان نے مارشل لاء نافذ ہونے تک اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی تھی اس لئے کہ ان کے لئے اپیل کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی اس طرح انہیں ایک بڑا اچھا موقعہ مل گیا کہ میری طرف سے لاش کو خفیہ طور پر دفن کرنے سے متعلق میرے حکم اپنے انکار کی ایک فرضی داستان گھڑ کر سنا دیں۔ ایسا کر کے وہ میری اس بدنیتی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کی بناء پر میں نے ان کے خلاف سالانہ رپورٹ دی تھی۔

ثالثاً۔ مارشل لاء حکام نے مسٹر بھٹو کے خلاف جھوٹ بولنے کی خاطر مجھ پر جس قدر دباؤ ڈالا اور جس کی تفصیلات میں بعد میں بیان کروں گا۔ اسی سے تصور کر سکتا ہوں کہ مسٹر اصغر خان اور میرے دوسرے ماتحتوں کو مسٹر بھٹو کے خلاف ایک فول پروف کیس بناتے کی خاطر ہر قسم کی من گھڑت باتوں کی تائید پر آمادہ کرنے کے لئے مارشل لاء حکام کی طرف سے کتنا شدید دباؤ ڈالا گیا ہوگا۔ ان پولیس افسروں کے سروں پر نظر بندی، نظر بندی کی دھمکیوں، ملازمت سے محرومی کی تلواریں لٹک رہی تھیں جن کا طے شدہ منصوبے کے تحت اس مقدمے سے تعلق پیدا کیا گیا تھا۔ جن لوگوں نے میری طرح لائن میں آنے سے انکار کیا انہیں سیدھی طرح برطرف کر دیا گیا اور جن لوگوں نے وہ لائن میں آنے سے انکار کیا انہیں سیدھی طرح برطرف کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے وہ لائن اختیار کر لی اور وہ اب بھی ملازمت پر بحال ہیں گرچہ ایسا کرتے ہوئے انہوں نے اپنے آپ کو مورد الزام ٹھہرا لیا ہے۔

۵۔ مسٹر اصغر خان نے مسٹر جسٹس شفیع الرحمان ٹریبونل اور مکمل بنچ کے سامنے اپنے دیئے ہوئے بیانات میں تناقض کی وضاحت کرتے ہوئے یہ الزام عائد کیا ہے کہ ان پر میری طرف سے اور دوسروں کی جانب سے دباؤ پڑ رہا تھا اس لئے انہوں نے جسٹس شفیع الرحمان کے سامنے غلط بیان دیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا کہہ کر مسٹر اصغر خان اپنی تردید آپ کر رہے ہیں ایک طرف تو وہ ایسا پولیس ہونے کے دعویدار ہیں کہ انہوں نے ایک قتل کے مقدمے

کی ایف آئی میں وزیر اعظم کا نام شامل کرنے میں بھی کوئی باک نہ تھا اور دوسری طرف وہ ایسی بھیڑ بن گئے کہ اس سے کمتر درجے کے دباؤ میں آکر حلف لے کر دروغ گوئی کے مرتکب ہو گئے دباؤ کی بات کی جائے تو کون سا دباؤ زبردست ہوتا ہے ایک شہری حکومت کا جو خواہ کتنا ہی آمرانہ کیوں نہ ہو یا مارشل لاء حکومت کا جس سے بڑے بڑے شہری افسروں کو بند کرکے یرغمال بنا لیا ہو تاکہ چھوٹے چھوٹے شہری افسران اس کی لائن میں آکر اس کے مطیع رہیں اچھرہ تھانے کے سابق ایس ایچ او نیازی نے الزام لگایا ہے کہ وہ ڈی ایس پی اچھرہ مسٹر احمد مرحوم کے ساتھ تھے جب ان کے بقول مسٹر احمد کارتوس کیپ اور دھات کے ریزے لیکر میرے گھر آئے تھے جہاں مسٹر احمد کے بیان کے مطابق ہم نے کارتوس رکھے تھے کس نے رکھے تھے اور کیوں رکھے تھے مسٹر نیازی یہ نہ بتا سکے کیونکہ وہ بقول خود میرے گھر سے باہر ٹھہرے ہوئے تھے بعد میں مسٹر احمد ڈی ایس پی نے جواب مر چکے ہیں مسٹر نیازی سے کہا تھا کہ مسٹر باجوہ اور وہ بھی اب مر چکے ہیں۔ وہ کارتوس لے کر چلے گئے تھے۔ اس طرح مبینہ تبدیلی ایک مردہ آدمی نے دوسرے مردہ آدمی کی مدد سے کی تھی۔ اب اس بیان کی تصدیق یا تردید کرنے کے لئے انھیں قبر سے اٹھا کر تو نہیں لایا جا سکتا۔ میں قطعی طور پر اس بیان کی صداقت سے انکار کرتا ہوں۔ یہ سراسر من گھڑت ہے جیسا کہ درج ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

اولاً۔ جو لوگ پولیس جیسی منظم فورس کی کارکردگی کے مبادی اصول سے واقف ہیں انہیں معلوم ہوگا کہ آئی جی کے لئے درمیانی سنیئر افسروں مثلاً ڈی آئی جی، ایس ایس پی اور ایس پی کو نظر انداز کرکے ایک ڈی ایس پی کو کسی سرکاری مقصد کے لئے اپنے گھر پر طلب کرنا مہمل ہے یہ مجھے اس کیس کی کارروائی سے ہی معلوم ہوا کہ مسٹر احمد ڈی ایس پی اس تفتیش کی نگرانی کر رہے تھے۔ اس لئے کہ یہ کیس اچھرہ تھانے میں درج کرایا گیا تھا آئی جی کو ان تفصیلات کا علم نہیں ہوتا ثانیاً۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس کیس کی پیش رفت سے متعلق صرف مسٹر وکیل خان ڈی آئی جی اور اصغر خان ایس ایس پی سے رپورٹ کیا کرتا تھا اور ان میں سے کسی بھی آفیسر نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ مسٹر حمید باجوہ ان کارتوسوں کو لے گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر لیاقت علی خان کے قتل کے مقدمے میں بھی آئی جی نے کبھی ارتکاب جرم کے ہتھیار کو دیکھنا چاہا ہو تو یا تفتیش کی تفصیلات میں گیا ہو۔

۶۔ جب یہ قتل ہوا اس وقت میں ملتان میں تھا۔ اس ٹیلی فون کال کے سوا جو مسٹر وکیل خان نے مجھے

> **مجھے دیئے گئے سوالنامے کی**
>
> **زبان انتہائی ناشائستہ**
>
> **اور ذلت آمیز تھی**

کی تھی اور مجھے اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا تھا کہ رضا قصوری ایف آئی آر درج کرانے سے انکار کر رہے ہیں جس پر میں نے انہیں یہ یقین دلانے کی ہدایت کی تھی کہ ایف آئی آر دیانت داری سے درج کی جائے گی، مجھے یہ قطعی معلوم نہیں تھا کہ یہ کیس کس طرح اور کس کے ذریعے نمٹایا جا رہا ہے۔ یہ تو محض میری واپسی کے بعد کی بات ہے کہ مسٹر وکیل خان کو موجود نہ پاکر میں نے ایس ایس پی کو طلب کیا اور اس سے اس وقت تک کی پیش رفت اور لاہور میں اس کے ممکنہ ردعمل سے متعلق دریافت کیا۔ مسٹر وکیل خان ڈی آئی جی اور اصغر خان ایس ایس پی لاہور ہی میں موجود تھے اور تفتیش کی نگرانی کر رہے تھے۔ مسٹر احمد ڈی ایس پی ایک بڑے ہی دیانتدار اور کھرے افسر تھے۔ ان اوصاف میں وہ ڈی آئی جی اور ایس ایس پی دونوں سے بڑھ کر تھے۔ جیسا کہ الزام ہے اگر انہوں نے ایس ایچ او سے یہ کہا تھا کہ وہ کارتوسوں کو سر بمہر نہ کریں جو کہ قانون کے مطابق ہونا چاہیئے تھا تو یقیناً اس کے لئے انہیں ہدایت ملی ہوگی، اور یہ بات صرف مسٹر وکیل خان یا مسٹر اصغر خان ہی بتا سکتے ہیں کہ ایسی ہدایت کس نے دی تھی۔

۷۔ مسٹر اصغر خان کا دعویٰ ہے کہ میرے گھر پر ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں سینئر افسروں نے شرکت کی تھی اور وہ خود بھی شریک تھے۔ ایس ایچ او نے دعویٰ کیا ہے کہ کارتوس وغیرہ اسی وقت میرے گھر پر لائے گئے تھے۔ مسٹر اصغر خان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے میرے گھر پر ہونے والی میٹنگ میں شرکت کی تھی لہٰذا وہ اس واقعے کے گواہ ہوں گے لیکن اپنی گواہی میں انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے کہ کارتوس میرے گھر پر لائے گئے تھے، پولیس محکمے میں جب کوئی جونیئر افسر کوئی اہم کام انجام دیتا ہے تو وہ سرکاری یا غیر سرکاری طور پر اسے اولین موقع ملتے ہی اپنے افسر بالا کے علم میں لاتا ہے، لیکن نہ تو مسٹر وکیل خان نہ ہی مسٹر اصغر خان نے اپنی گواہی میں کہیں یہ کہا ہے کہ وہ کارتوس کبھی میرے گھر لائے گئے تھے حالانکہ مبینہ طور پر انہوں نے مسٹر وکیل خان کو یہ رپورٹ دی تھی کہ وہ کارتوس مسٹر حمید باجوہ لے گئے تھے۔

۸۔ کہ شہادت کا یہ ٹکڑا سراسر ایف آئی اے کا گھڑا ہوا ہے۔ اس کا ثبوت اس طریقے سے ملتا ہے جس طریقے سے اسے فائل میں لایا گیا ہے۔

۹۔ وسط اگست میں ایک دن میجر جنرل عبدالرحمن مجھ سے ملنے آئے اور ایک سوالنامہ چھوڑ گئے۔ یہ سوالنامہ انتہائی ناشائستہ اور ذلت آمیز زبان میں تیار کیا گیا تھا۔ اس میں میرے خلاف عجیب وغریب الزامات عائد کئے گئے تھے جن میں یہ الزام بھی شامل تھا کہ میں نے ایس ایس پی اصغر خان سے کہا تھا کہ احمد خان کی لاش کو پوشیدہ طریقے سے دفن کر دے۔ لیکن اس میں کارتوس سے متعلق ایک لفظ بھی شامل نہیں تھا پھر ستمبر میں ایک دن ایف آئی اے کا ایک افسر احمد خان کے قتل کے سلسلے میں میرا بیان قلمبند کرنے آیا۔ اس نے جو سوالات کئے وہ سب لاش کو خفیہ طور پر

میرے بیان میں بھٹو کیخلاف کوئی بات نہ ملی تو میرے خلاف فردِ جرم عائد کردی گئی

دفن کرنے کی ہدایت سے متعلق تھے۔ اس مرحلے پر بھی اس نے کارتوس سے متعلق ایک لفظ تک نہیں کہا بہر حال مکمل چالان داخل کرنے سے کچھ پہلے ایف آئی اے کا ایک دوسرا افسر میرا ضمنی بیان قلمبند کرنے کے لئے میرے پاس آیا۔ اس موقع پر کارتوس کے مبینہ واقعے کا ذکر ہوا۔ جس حد تک شہادت میں الزام تراشی کی گئی تھی اسے دیکھکر میں سخت وحشت زدہ رہ گیا، میں یہ دیکھ کر بھی بہت الجھن میں پڑ گیا کہ اس قدر تاخیری مرحلے پر کارتوسوں کا مسئلہ کیوں اٹھایا جا رہا ہے۔ میں نے اپنے بیان میں بھی اس پر حیرت کا اظہار کیا مجھے چونکہ قید تنہائی میں رکھا گیا تھا اور باہر کی دنیا سے میرا کوئی رابطہ نہیں تھا اس لئے میں نے یہی سمجھا کہ یہ مسٹر اصغر خان اور وکیل خان کی طرف سے جو مجھ سے دشمنی رکھتے ہیں، اس معاملے میں مجھے پھنسانے کی ایک نمایاں کوشش ہے، اس کا اظہار میں نے اپنے بیان میں بھی کر دیا تھا۔ بہر حال کیس کی روزمرّہ کی کارروائی کے پیش نظر مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ شہادت کا یہ حصّہ اسقدر تاخیری مرحلے پر کیوں گھڑا گیا تھا۔

۱۰۔ اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ جب ایف آئی اے کو بالسٹک اکسپرٹ کی منفی رپورٹ موصول ہوئی تو اسے اپنے کیس میں ایک سنگین قسم کا جھول نظر آیا اس کے بعد اس نے کارتوس کا یہ سارا واقعہ تیار کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے اچھرہ تھانے کی ڈی ڈی میں کچھ جعلی اندراجات کرائے اور ایس ایچ او اور محرر کو یہ دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس مصنوعی شہادت کی تائید نہیں کی تو انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں اپنے پیشے کی قیمت چکا کر بھی پنجاب پولیس کی خدمات انجام دے چکا ہوں۔ میرے ماتحت جب دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے تو انہوں نے یقیناً ندامت محسوس کرتے ہوئے مجھے اس دباؤ کی تفصیلات بتا دیں جو اس جھوٹی شہادت اور سرکاری دستاویزات میں جعل سازی کرنے کیلئے ان پر ڈالا جا رہا تھا۔ محرر سے اس کی رپورٹ میں چابی سے متعلق ایک جملہ کہلوایا گیا جس کا تعلق ۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کو اس کی رخصت سے تھا، غرض یہ تھی کہ استغاثہ کے کیس میں جو جھول تھا اسے دور کیا جائے۔ مجھے ان باتوں کا یقین اس لئے ہے کہ مجھے خود مارشل لا کے دباؤ کا تجربہ ہے، مجھے بلیک میل کر کے مجھ پر دباؤ ڈالا گیا تھا تاکہ میں اس کیس اور دوسرے کیسوں میں مسٹر بھٹو کے خلاف گواہی دوں۔

۱۱۔ اس دباؤ اور بلیک میلنگ کی کہانی کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے ۴ - ۵ جولائی کو آدھی رات کے بعد ہی مجھے فوجی حراست میں لے کر اسی شام ایبٹ آباد منتقل کر دیا گیا تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مارشل لا نافذ ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ فوج نے سیاست دانوں کو حراست میں لینے کے ساتھ ساتھ کچھ اعلیٰ سول ملازمین کو بھی جن میں میں بھی شامل تھا، حراست میں لے لیا تھا۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مارشل لا نافذ کرنے سے متعلق ان کا فیصلہ ایک اچانک فیصلہ تھا، انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسٹر بھٹو کی حرکتوں اور بدعنوانیوں سے اس وقت تک قطعی لاعلم اور بے خبر تھے جب تک کہ انہیں ان کے علم میں نہیں لایا گیا، پھر فوجی حکام نے مارشل لا نافذ ہونے کے ساتھ ہی مجھے حراست میں لینے کا فیصلہ کیونکر کر لیا۔ میں ڈی آئی بی تھا اور یہ جانتا تھا کہ ایک طویل عرصے سے فوجی جنرل قابض ہونے کا منصوبہ بنا رہے تھے: مجھے معلوم تھا کہ کچھ سیاستداں جنرلوں کی طرف سے کھیل رہے ہیں اور میں نے اسوقت کے وزیر اعظم کو جنرل کی اسکیم سے بار بار خبردار کیا تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ بظاہر سی ایم ایل اے سمیت تمام جنرلوں نے خوشگوار تعلقات قائم کر رکھے تھے تاہم میں جنرلوں کی سازش سے وزیر اعظم کو مطلع رکھنے کے باعث پہچان لیا گیا تھا، اس لئے آدھی رات کے وقت جب میں نے اپنے دروازے پر دستک اور بھاری بوٹوں کی آواز سنی تو مجھے قطعی حیرت نہیں ہوئی، البتہ مجھے عزت مآب جنرلوں پر مشتمل حکومت کی دورنگی پر ضرور حیرت ہوئی جو اسلام کے عظیم اصولوں سے شیفتگی کا بھی دم بھرتی ہے، ادھر جب سی ایم ایل اے مختلف سیاسی گروپوں کے درمیان ایک "دیانتدار دلال" کا کردار ادا کرنے کا اعلان کر رہے تھے اور آزادانہ و منصفانہ انتخابات کرانے کا عزم ظاہر کر رہے تھے تو ادھر بریگیڈیر نعیم جو ایبٹ آباد میں ہمارے نگراں تھے اور مارشل لا ہیڈ کوارٹر کی بلند ترین شخصیتوں سے مل کر آئے تھے، مختلف مسائل پر بحث کرتے ہوئے کبھی کبھی بول اٹھتے "کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ فوج مسٹر بھٹو کو دوبارہ برسر اقتدار لے آئے گی؟"

۱۲۔ میں چونکہ سختی سے مہر بلب رہتا اس لئے اس سوال کا جواب بھی وہ خود ہی دیتے "ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا" وہ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے۔ "مصیبت یہ ہے کہ سب سے بڑے صوبہ پنجاب کو اقتدار میں شرکت سے ہمیشہ باز رکھا گیا ہے لیکن اب فوج ملک کی حکومت میں پنجاب کو اس کا جائز حصہ دلانا چاہتی ہے۔

۱۳۔ اوائل اگست میں مجھے اسلام آباد لے جا کر قید تنہائی میں رکھ دیا گیا لیکن ایبٹ آباد سے روانگی سے کچھ دیر پہلے بریگیڈیر نعیم نے نہایت ہی شائستہ اور محتاط انداز میں مجھے الوداعی مشورہ دیتے ہوئے کہا "ازراہ کرم فوج سے تعاون کیجئے" جب میں اسلام آباد پہنچا تو اس وقت کے ڈی جی، ایف آئی اے مسٹر صغیر انور مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے بھی مجھے دوستانہ مشورہ دیا "ازراہ کرم حکومت سے تعاون کریں" میں نے پوچھا "کس طرح؟" تو انہوں نے کہا "آپ تو خود ہی ذہین آدمی ہیں، آپ کو سمجھنا چاہئے" پھر جلد ہی مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ فوج سے "تعاون" کا مطلب کیا ہے اور مجھے اپنے کام اور اپنی آزادی کی کیا قیمت چکانی پڑے گی۔ میجر جنرل عبدالرحمٰن جنہیں مجھ سے نمٹنے کے لئے متعین کیا گیا تھا پہلے پہل مجھے دیکھنے کے لئے آئے، جیسا کہ انہوں نے بتایا یا بالفاظ دیگر میرا اندازہ

لگانے کے لئے آئے، اس کے بعد وہ ایک طویل سوالنامہ لیکر آئے جس میں انہوں نے نہایت ہی جارحانہ زبان میں میرے خلاف تمام قسم کے الزامات عائد کئے۔ یہ مجھے نرم کرنے کے لئے تھا۔

جب میں نے ان کی موجودگی ہی میں پرپوں کی اس داستان کا پڑھنا ختم کیا تو وہ کھڑے ہو کر کہنے لگے "جواب لکھنا شروع کرنے سے پہلے از راہ مہربانی میرا یہ مشورہ یاد رکھیں۔ آپ کا ہر طرح خیال رکھا جائے گا۔ اگر آپ ہمیں صرف بھٹو کے خلاف مواد مہیا کریں"۔ میں نے مبنی بر حقیقت جواب لکھ دیا۔ کئی دنوں کے بعد میجر جنرل عبدالرحمان وہ مجھ سے واپس لینے کے لئے آئے۔ اور جلدی جلدی اسے پڑھنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں مسٹر بھٹو کو ملوث کرنے والا مواد نہ پاکر انہیں گہری مایوسی ہوئی

۱۴۔ قدرتی طور پر میرے دوستوں اور رشتہ داروں کو میری مسلسل نظر بندی سے تشویش ہونے لگی۔ حکومت نے میری نظر بندی کی کوئی وجہ نہیں بتائی تھی۔ نہ ہی حکومت کے پاس اس کے لئے کوئی وجہ تھی۔ نہ صرف یہ کہ میں نظر بند تھا۔ بلکہ مجھے معطل بھی کر دیا گیا تھا۔ اور میری تنخواہ مہینوں سے رکی ہوئی تھی۔ جب کوئی میرے معاملے میں مداخلت کے لئے مارشل لاء حکام سے رجوع کرتا تو اس سے کہا جاتا کہ یہ شخص فوج سے تعاون نہیں کر رہا ہے اور یہ کہ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کی گردن توڑ دی جائے گی۔ ایک موقع پر مجھے پیغام دیا گیا کہ میں مسٹر بھٹو کے خلاف ایک بیان دے دوں۔ تو مجھے رہا کر دیا جائے گا۔ ان باتوں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ حکام عریاں بلیک میلنگ کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو مجھے اتنا خطرناک سمجھا جا رہا تھا۔ کہ مجھے قید تنہائی میں رکھا گیا تھا۔ دوسری طرف انہوں نے مجھے اب بھی ملازمت پر برقرار رکھا تھا۔ یہ دو متضاد صورتحال تھی جو بیک وقت بحال رکھی گئی تھی۔ اس پورے عرصے میں مجھ پر مسلسل دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ مسٹر بھٹو کو غلط طور پر ایک نہ ایک کیس میں ملوث کر دوں۔ احمد خان کے قتل اور توہین کے دوسرے مقدمات میں۔ جو لاہور ہائی کورٹ میں چل رہے تھے۔ مجھے اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کرنے کی کوششوں میں ناکام ہوتے کے بعد ایک دن میجر جنرل عبدالرحمن بریگیڈیئر مقیم کے ساتھ لیکن آخری کوشش کرنے کے لئے میرے پاس آئے۔ انہوں نے اسلام آباد میں مجھ سے ملاقات کی اور مسٹر بھٹو کے خلاف انتخابات میں دھاندلی کے مقدمے میں مجھے تعاون کرنے کو کہا۔ اس موقع پر ان دونوں افسروں کے ساتھ میری گرما گرمی ہو گئی۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں۔ انتخابات میں دھاندلی کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بھٹو نے کھل کر اس کی ممانعت کر دی تھی۔ دھاندلی انفرادی طور پر ہوئی ہے جس کی ذمہ داری انفرادی امیدواروں پر عائد ہوتی ہے جب انہوں نے اس پر زور ڈالا کہ میں مسٹر بھٹو کے خلاف جھوٹی گواہی دوں تب میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ چاہو تو مجھے پھانسی دے دو۔ لیکن میں اپنی ملازمت بچانے یا اپنی رہائی کی خاطر اپنی روح کو فروخت نہیں کر سکتا۔ بریگیڈیئر نعیم نے مجھ سے کہا کہ انتخابات کس طرح ہوتے تھے۔ اس بارے میں ایک بیان تیار کر دوں۔ یہ میں نے فی الفور کر دیا۔ دوسری مرتبہ بریگیڈیئر نعیم مسٹر جامی کو لے کر آئے۔ یہ میرا ایک جونیئر رفیق کار تھا۔ اُسے اس لئے لایا گیا تھا کہ مجھے فوجی حکام سے "تعاون" کرنے پر آمادہ کرے۔ جامی کو مسٹر بھٹو کے دور میں اس لئے برطرف کر دیا گیا تھا۔ کہ وہ پاسپورٹ اور نقل وطن سے متعلق دھاندلی کرنے والوں سے ربط ضبط رکھتا تھا۔ اور اس کی ٹیپ کی ہوئی ٹیلی فون کالوں کے ذریعہ اُس کے روپے کے لین دین کا پتا چلا تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جسے مارشل لاء حکام نے دوبارہ بحال کر کے مسٹر بھٹو کے خلاف تحقیقات پر مامور کیا تھا۔ وہ ایک رات میں ایک بداعمال افسر سے بدل کر صاف و شفاف کردار کا مالک بن گیا۔ محض اس لئے کہ اس کی بدعنوانی مسٹر بھٹو کے دور میں پکڑی گئی تھی۔ اُس نے نہایت ہی ملائمت اور شیریں زبانی سے کام لیتے ہوئے مجھے میرے "عدم تعاون" کے نتائج سے آگاہ کیا۔ لیکن میں نے اُسے جھڑک دیا۔ بریگیڈیئر نعیم نے میرے بیان پر ایک نظر ڈالی اور جب اس میں مسٹر بھٹو کو ملوث کرنے والی کوئی چیز نظر نہیں آئی تو انہوں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اس کے بعد ہی میرے خلاف فرد جرم عائد کر دی گئی۔ اور مجھے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ جب کہ وہ سرکاری ملازمین جنہوں نے مسٹر بھٹو کے خلاف بیان دے کر اپنے آپ کو اس طوق کار میں ملوث کر لیا تھا۔ وہ اب بھی ملازمت کر رہے ہیں۔ جب کہ مجھے جس کے خلاف فوجی حکام کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ جس کے ذریعہ مجھے ماخوذ کیا جا سکتا۔ عام اصولوں سے ہٹ کر برطرف کر دیا گیا۔ میرے ۲۸ سالہ ملازمت کے ریکارڈ پر ایک نظر ڈال کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کارروائی کس قدر حق بجانب تھی۔ اس طرح مجھ پر جب اس قدر شدید دباؤ ڈالا گیا۔ تو اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ میرے سابق ماتحتوں پر کس قدر دباؤ ڈالا گیا۔ وہ بے چارے اس دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور عدالت میں وہ سب کچھ کہہ دیا۔ جو ان سے کہلوایا گیا۔

میں نے کچھ کہا ہے۔ اس میں کچھ بھی خیالات مابعد نہیں۔ میں یہ باتیں اب اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ مارشل لاء حکومت نے ناروا طور پر مجھے برطرف کر دیا ہے۔ میں نے سوالنامے کا جواب دیا تھا اور ایف آئی اے کو جو دو بیانات دیئے تھے عدالت انہیں دیکھ سکتی ہے۔ میں نے برابر ایک ہی بات کہی ہے۔ دراصل میں نے یہی باتیں اس فرد جرم کے جواب میں بھی کہی تھی۔ جو مجھے دی گئی تھی۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا۔ کہ اس سچ بولنے کی مجھے کیا قیمت ادا کرنی ہو گی۔ لیکن ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں یہ مستحکم یقین رکھتا ہوں کہ آدمی کو ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے خواہ اس کی کچھ ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے اور یہ کہ آدمی کو زندگی ہمیشہ اصولوں کا پابند ہونا چاہیئے۔ مجھے اپنے اس حلفیہ بیان داخل کرنے کا نتیجہ بھی معلوم ہے۔ تاہم میں سچ بولنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

○○

شنبه ۲ اردیبهشت ۲۵۳۷ ـ ۱۴ جمادی‌الاول ۱۳۹۸ ـ شماره ۱۰۴۴۴

مذاکرات شاهنشاه و رئیس جمهوری آلمان

به اتهام پخش اعلامیه و دادن شعار:

۶۵ دانشجو در کوه دستگیر شدند

دادیار درباره مجروح شدن ۳ تن از دانشجویان گزارش خواست

سومین بررسی جامع سازنده از کتاب «سوی تمدن بزرگ»

جهان بسوی انفجار میرود

در نامه‌ای به ارتشبد ضیاءالحق:

۱۰۰ روشنفکر ایرانی خواستار لغو اعدام بوتو شدند

اکثر امضا کنندگان نامه استادان دانشگاه، وکلای دادگستری و روزنامه نگاران هستند

در نامه‌ای به ارتشبد ضیاءالحق

۱۰۰ روشنفکر ایرانی خواستار لغو اعدام بوتو شدند

بیش از ۱۰۰ روشنفکر و پژوهنده ایرانی درنامه‌ای به ارتشبد محمد ضیاءالحق حکمران نظامی پاکستان، خواستار جلوگیری از اعدام ذوالفقار علی بوتو نخست وزیر پیشین آن کشور شدند. در این نامه گفته شده است که شرایط محاکمه بوتو، درستی حکم صادره را مورد تردید قرار میدهد.

درنامه به ارتشبد ضیاءالحق آمده است: «محیط ضدیتی که در جریان محاکمه علیه متهم بوجود آمد، مانع از آن است که مجموعه محاکمه را متکی برعدالت وانصاف به شمار آوریم. حتی از یک دیدگاه صرفا حقوقی، نکات بسیاری در این محاکمه می‌توان یافت که از نظر رویه قضائی مورد قبول جهان معاصر، پذیرفتنی به نظر نمی‌رسد.»

بوتو که تابستان گذشته در یک کودتا قدرت را از دست داد به اتهام صدور دستور قتل یکی از مخالفان خود، محاکمه وبه اعدام محکوم شده است. او از حکم صادره تقاضای تجدید نظر کرده است.

در نامه به حکمران نظامی پاکستان آمده است: «هرفرد با انصافی میداند که محاکمه ذوالفقار علی بوتو، فارغ از ملاحظات خاص سیاسی نبود. بنابراین عواقب اجرای حکم صادره نیز ملاحظات سیاسی‌یی دربر خواهد داشت که بی‌تردید به اطلاع شما رسیده است. خواست ما این است که آقای بوتو از اغماضی که بخاطر خدمات گذشته خود به پاکستان و همچنین با توجه به شرایط ویژه محاکمه، شایسته آن است، برخوردار گردد.»

نامه، می‌افزاید: «ما به هیچوجه سیاست‌ها و روش‌های آقای بوتو را تایید نمی‌کنیم و قضاوت در این‌باره را حق مردم پاکستان میدانیم. اما بعنوان دوستان ملت برادر و مسلمان پاکستان، وظیفه خود می‌دانیم که شما رااز عواقب نابودی‌فیزیکی آقای بوتو برحذر داریم. تجربه مرگبار دیگر کشورها نشان داده است که انتقامجوئی سیاسی می‌تواند به صورت بدعتی فاجعه‌آمیز درآید. پاکستان نیازمند مرهم نهادن بر زخم‌های خویش است تا بتواند در صلح و آرامش پیشرفت کند. نابودی آقای بوتو، به‌تحقق این هدف کمکی نمیکند.»

امضاکنندگان نامه که اکثرا ازاستادان دانشگاه، شخصیت‌های مطبوعاتی و وکلای دادگستری و پژوهندگان اجتماعی هستند، در پایان می‌نویسند: «ازشما انتظار داریم که آنچه‌را درتوان دارید برای نجات جان آقای بوتو بکارگیرید. اعتقاد ما این است که این نامه باتوجه به‌نیات خیر نویسندگان آن برای ملت پاکستان، از توجه شایسته شما برخوردار خواهد شد.»

حکم اعدام بوتو، بیش از پنج هفته پیش از سوی دادگاه عالی لاهور صادر شد. در این مدت رهبران و شخصیت‌های سیاسی و اجتماعی بیش از ۸۰ کشور بطور مستقیم یاغیرمستقیم خواستار جلوگیری ازاعدام بوتو شده‌اند. همچنین مسلمانان سراسر جهان با ارسال صدها هزار نامه و تلگرام برای مقامات پاکستان، برای بوتو درخواست عفو کرده‌اند.

بگفته محافل دیپلماتیک مساله نجات جان بوتو در کنفرانس اخیر وزیران خارجه ایران، ترکیه، پاکستان، بریتانیا و ایالات متحده که در لندن برگزار شد، مورد بررسی قرارگرفت. حکمران نظامی پاکستان تاکنون در برابر درخواست‌های گوناگون برای عفو بوتو گفته است که در کار دادگاه‌ها دخالتی نخواهد کرد. تصمیم به لغو حکم اعدام بوتو، با فضل‌الهی چودری رئیس جمهوری پاکستان است اما ارتشبد ضیاءالحق بعنوان مرد نیرومند کشور در این زمینه نقش واقعی را برعهده دارد.

ایرانی دانشوروں کی اپیل

سیاسی انتقام جوئی سے

اندوہناک صورتِ حال

پیدا ہو سکتی ہے

تہران کے اخبار "کیہان" مورخہ ۱۴ جمادی الاول ۱۳۹۸ھ میں شائع شدہ ایک اطلاع کے مطابق ایران کے ایک سو سے زائد دانشوروں نے ایک خط کے ذریعہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاالحق

سابقہ خدمات اور مقدمے کی سختی کے پیشِ نظر بھٹو کو رہا کیا جائے

سے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کی ہے اس خط پر دستخط کرنے والے ایرانی دانش وروں میں یونیورسٹی کے پروفیسر، وکلاء، صحافی ادیب وغیرہ بھی شامل ہیں خط میں انہوں نے لکھا ہے کہ جناب بھٹو کے خلاف جو مقدمہ چلا کر انہیں مجرم قرار دیا گیا ہے اس کو عدل و انصاف کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے تامل ہوتا ہے یہاں تک کہ اس فیصلے پر ایک نظر ڈالنے ہی بہت سارے نکات ایسے مل سکتے ہیں جو دنیا کے ہمعصر اہل عدالت کی نظر میں قابلِ قبول نہیں ہو سکتے۔

اخبار کیہان نے لکھا ہے کہ مسٹر بھٹو کو گذشتہ سال موسم گرما میں ایک فوجی انقلاب کے ذریعہ اقتدار سے ہٹایا گیا پھر ایک سیاسی مخالف کے قتل کے الزام میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا ہے اور اس حکم کے خلاف نظر ثانی کی اپیل کی گئی ہے۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے نام بھیجے جانے والے خط میں کہا گیا ہے کہ ہر انصاف پسند آدمی جانتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مقدمہ سیاسی محرکات سے خالی نہیں تھا اس کے علاوہ اس کا جو فیصلہ صادر کیا گیا وہ بھی سیاسی محرکات کا حامل ہے آپ تک یقیناً اس کی صحیح اطلاع پہنچی ہو گی اس لئے ہمارے خیال میں جناب بھٹو کی سابقہ خدمات اور مقدمے کی سختی کے پیش نظر انہیں رہا کر دینا مناسب ہو گا۔ خط میں مزید لکھا گیا ہے کہ ہم کسی طرح بھی جناب بھٹو کی سیاست اور ان کی پالیسیوں کی تائید نہیں کرتے اور اس بارے میں انصاف کو پاکستانی عوام کا حق سمجھتے ہیں۔ تاہم پاکستانی قوم کے دوست اور مسلمان بھائی کی حیثیت سے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جناب بھٹو کو جسمانی طور پر ختم کرنے کے عواقب سے آپ کو باز رکھیں دوسرے ملکوں میں خونریزی کے تجربات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی انتقام جوئی سے اندوہناک صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس وقت پاکستان کو ضرورت اس کی ہے کہ اس کے زخموں پر مرہم رکھا جائے تاکہ یہ صلح و آشتی کی راہ پر لگ جائے جناب بھٹو کی موت اس راہ پر آگے بڑھنے میں کسی طرح مدد نہیں کر سکے گی۔

خط کے آخر میں جنرل ضیاء الحق سے کہا گیا ہے کہ ہمیں آپ سے یہ امید ہے کہ جناب بھٹو کی جان بچانے کی خاطر آپ سے جو کچھ ہو سکے گا۔ وہ ضرور کریں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم یہ خط پاکستانی قوم کے لئے خیر سگالی کا اظہار کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ اس پر معقول توجہ دیں گے۔

اخبار کیہان" اس سلسلے میں مزید لکھتا ہے اب سے پانچ ہفتہ پہلے لاہور ہائی کورٹ سے جناب بھٹو کو سزائے موت سنائی گئی تھی۔ دریں اثنا۔ ۸۰ سے زائد مملکتوں کی سیاسی و عوامی شخصیتیں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر جناب بھٹو کی سزائے موت کو منسوخ کرنے کی گذارش کر چکی ہیں دنیائے اسلام سے بھی برابر سینکڑوں ہزاروں برقیے ارسال کئے جا رہے ہیں جن میں جناب بھٹو کی جان بخشی کی اپیلیں کی جا رہی ہیں۔

"کیہان" مزید لکھتا ہے ایران، ترکی، پاکستان، برطانیہ اور امریکہ کے وزرائے خارجہ کی آخری کانفرنس منعقدہ لندن میں بھی اس کا ذکر چھڑا اور ڈپلومیٹک حلقوں میں کہا گیا کہ بھٹو کی جان بخشی کا سوال قابل توجہ ہے۔ پاکستانی نظامت ایسی مختلف درخواستوں کے جواب میں اب تک یہی کہتی چلی آ رہی ہے کہ یہ عدالت کا معاملہ ہے جس میں کوئی مداخلت نہیں کی جا سکتی۔ تاہم فیصلے کے بعد صدر جمہوریہ پاکستان فضل الٰہی چودھری بھٹو کی سزائے موت کے فیصلے کو منسوخ کر سکتے ہیں

آزادئ صحافت اور تحفظ روزگار کی جنگ میں

قربانیوں کا سفر جاری رہے گا

ایپنک اور پی ایف یو جے کا

ملک گیر یوم احتجاج

اور مجالس عاملہ کے اجلاس

اشرف شاد

۳؍جون کو ملک بھر میں پی ایف یو جے اور ایپنک کے زیر اہتمام یوم احتجاج کی کامیابی کے بعد ایک طرف ۶؍ اور ۷؍جون کو دونوں تنظیموں کی وفاقی مجالس عاملہ کے ارکان کی مختلف شہروں سے آمد کا سلسلہ جاری رہا تو دوسری طرف چار رکنی غدار ٹولے کے دو لاہوری ارکان محمود جعفری اور رشید صدیقی کراچی میں منہ چھپائے کونوں کھدروں میں کراچی کے "بیچیوں کی ملیاں" قسم کے اخبار نویسوں میں بیٹھے لندن جانے کے منصوبے بنا رہے تھے ساتھ ہی ایف ای سی اور این ای سی کے اجلاس میں شرکت کے لئے باہر سے آنے والے مندوبین کو یہ پیغامات بھجوا رہے تھے کہ اگر انہوں نے اجلاس میں شرکت کی تو انہیں نوکری سے نکلوا دیا جائیگا۔

رشید صدیقی اور محمود جعفری برانڈ کے لوگوں اور ایپنک اور پی ایف یو جے میں دراصل

بھٹو کے آٹھ لاکھ روپے ہضم کر

بنیادی فرق یہی ہے کہ اول الذکر کا تعلق اس فرقے سے ہے جو ذکریوں سے نکلوانے کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے ہیں، حکومت کی آشیرواد حاصل کرتے ہیں، صلے میں کچھ پرمٹ اور غیر ملکی دورے حاصل کر کے بونس میں ریڈیو ٹی وی کی شہرت کماتے ہیں۔ ویسے رشید صدیقی اور محمود جعفری کے ساتھ بھی کچھ زیادتی ہوئی ہے کہ غداری کا سارا بوجھ انکے اکیلے کاندھوں پر لاد دیا گیا ہے اصلی کاریگر جن کے حلق سے ابھی تک بھٹو صاحب سے لئے گئے آٹھ لاکھ روپوں کی ڈکاریں آ رہی ہیں، پیچھے چھپے بیٹھے ڈوریاں ہلا رہے رہے ہیں اور اپنی خدمات کا صلہ پا رہے ہیں۔ رشید چودھری اور نسیم الحق عثمانی تو بیچارے اور چھوٹے درجے کے کارندے ہیں جنہیں اس مرتبہ پہلی بار اس VICIOUS CIRCLE میں انٹری ملی ہے۔

ان چھوٹے اور بڑے درجے کے کلاکاروں اور کارندوں کے برخلاف پی ایف یو جے اور ایپنک کی قیادت کا تصور یہی ہے کہ وہ مصلحت اور موقع شناسی کے جواہر سے ناآشنا ہیں۔ ہر دور میں اصولوں کیلئے لڑائی لڑنے کھڑے ہوتے ہیں، جیلوں کی سیر کرتے ہیں کوڑے تک کھانے کے لئے تیار رہتے ہیں، ملازمتوں سے ہاتھ دھوتے ہیں اور پھر صحافت کے کفن چوروں سے کافر ہونے کا فتویٰ پاتے ہیں، کمیونسٹ ہونے کا لیبل لگواتے ہیں۔ لیکن اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ آج بھی طرفین میں یہی فرق نمایاں نظر آتا ہے۔

ابلاغ عامہ کے سرکاری ذرائع

ریڈیو پاکستان - ٹیلیویژن - اور سرکاری اخبارات ابلاغ عامہ کے یہ سرکاری ادارے صورتحال کا بیرومیٹر ثابت ہوتے ہیں، پاکستان کے عوام کو اب انکا بہت اچھا تجربہ ہو چکا ہے اس لئے وہ انکے بارے میں کوئی حسن ظن نہیں رکھتے۔ وہ انکی خبریں ضرور سنتے ہیں لیکن نتائج اپنے تجربات کے حساب سے اخذ کرتے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستانی افواج مشرقی پاکستان کے محاذ پر ہزیمت اٹھا رہی تھیں، لیکن سقوط ڈھاکہ تک ہمارے ریڈیو ٹی وی اور کنٹرول کے اخبارات کے مطابق وہ فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ رہی تھیں۔ سقوط ڈھاکہ اور پاکستانی افواج کے ہتھیار ڈالنے کی خبر اخبارات نے اس طرح شائع کی تھی جس طرح کوئی لاوارث لاش ملنے کی خبر چھاپی جاتی ہے، گویا یہ ان کی نظر میں اس روز کا سب سے کم اہم واقعہ تھا۔

اسی طرح بھٹو صاحب کے زمانے میں جبکہ انکی حکومت کے خلاف عوام کی تحریک روز بروز پکڑ رہی تھی ہمارے ابلاغ عامہ کے ادارے ملک میں امن و چین کی داستانیں سنا رہے تھے۔ حالات بہ بھٹو صاحب کی مکمل گرفت کی نوید دے رہے تھے۔

ہمارے ابلاغ عامہ
ہے اور اس طرح حکو
کرنے میں وہ خاصا
جب ٹیلیویژن پر
چودھری، نسیم الحق
کو صحافیوں اور حکو
معاہدے پر دستخط کر
ایرپورٹ پر انکی اخ
کی تفصیلات نشر کی
پہنچنے میں کوئی دیر
جو حکومت کے بھٹو

۳ جون کو ایپنک اور پی ایف یو جے کے احتجاجی جلسے سے - محمود علی اسد - موسیٰ جی دیپک - ا

...اب پھر ڈوریاں ہلا رہے ہیں

...ع کا یہ روایتی کردار
...اقتدار کی مدت میں کمی
...کرتے ہیں۔ اسی لئے
...چار رکنی ٹولے رشید
...جعفری اور رشید صدیقی
...یان ایک نام نہاد
...جا رہا تھا، یا ریڈیو ٹی وی
...روں سے بات چیت
...تو لوگوں نے اس نتیجے
...کہ یہ جعلی نمائندے ہیں
...وں کی اس دلیرانہ تحریک

میں شگاف ڈالنے کے لئے بیساکھیاں لگا کر کھڑے کئے گئے ہیں۔ پی ایف یو جے اور ایپنک کی خبریں ریڈیو ٹی وی میں بالکل نہیں آئیں اور اخبارات میں بھی کہیں چھپیں اور کہیں نہ چھپیں لیکن اس سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑا۔ ہمارے لوگ اپنے ریڈیو ٹی وی اور اخباروں کی زبان اور نیتوں کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔

اسی طرح ۳ جون کو پی ایف یو جے اور ایپنک کی اپیل پر ملک بھر میں اخباری اداروں نے یوم احتجاج منایا۔ کراچی پریس کلب کے جلسے میں اس روز ہنڈال میں بیٹھنے کی جگہ نہیں رہی تھی اور اس میں تقریر کرنے والوں میں حریت اور ہیرالڈ سمیت تمام اہم اخباروں کی یونینوں کے عہدیدار شامل تھے۔ جبکہ دوسری طرف نسیم الحق عثمانی حریت کے دفتر میں جلیبیاں کھاتے ہوئے ایک استقبالئے سے خطاب کر رہے تھے جس کے شرکار کی نفری ۲۵ یا ۳۰ سے زائد نہیں تھی۔ اور پھر لاہور میں مساوات کے دفتر میں بھی ایپنک اور پی ایف یو جے کے زیر اہتمام یوم احتجاج منایا جا رہا تھا اور اس میں بھی تمام اخباری مراکز سے آئے ہوئے اخباری کارکن شریک تھے، دوسری طرف لاہور پریس کلب میں چار کے ٹولے کے دو لاہوری ارکان رشید صدیقی اور محمود جعفری ایک عدد نفیس رقم کے ساتھ بیٹھے سامعین کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ اپنے ایپنک کے بلائے نام نہاد اجلاس کی کارروائی شروع کر سکیں۔

۳ جون کی اس رات کو ریڈیو اور ٹی وی کے نیوز بلیٹن کا تین چوتھائی حصہ ان تین رکنی اور ۲۵ رکنی عظیم الشان جلسوں کی طویل خبریں نشر کر رہا تھا، جبکہ پی ایف یو جے اور ایپنک کے یوم احتجاج کی ناکامی کے سرکاری اعلانات کئے جا رہے تھے، لوگ پھر پریشان تھے کہ آخر حکومت صحافیوں اور اخباری کارکنوں کی تحریک سے اتنی خوفزدہ اور بوکھلائی ہوئی کیوں ہے کہ پورا ریڈیو اور ٹیلیویژن انکے خلاف جھونک دیا گیا ہے۔

آزادیٔ صحافت کا مسئلہ

حکومت کی بوکھلاہٹ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے وہ اپنی پوری مشینری استعمال کر کے جماعت اسلامی اور موقع پرستوں کی پوری ٹیم کے ساتھ مل کر بھی اخباری کارکنوں کے عزم و حوصلہ کو پابند نہیں بنا سکی ہے۔ وہ اس مسئلے کو اس لئے بھی سنجیدگی سے لیتے ہیں کہ اس مرتبہ اخباری کارکن محض معاشی مطالبات اور تحفظ روزگار کی جنگ نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ وہ آزادیٔ صحافت کے بہت بنیادی مسئلے پر بھی نبرد آزما ہیں آزادیٔ صحافت کا مسئلہ اخباری کارکنوں کی برادری کے چند ہزار افراد کا نہیں بلکہ آزادیوں سے محروم اس ملک کے ۹۵ فیصد عوام کا مسئلہ ہے، ایک اخبار اگر عوام کی خواہشات کا آئینہ بن جائے تو اس کے

...دکہ۔ موسیٰ طاہر۔ احفاظ الرحمٰن۔ حیدر امام رضوی۔ مصطفیٰ کاظمی۔ شیخ اعظمی خطاب کر رہے ہیں۔ صدارت منہاج برنا کر رہے ہیں۔
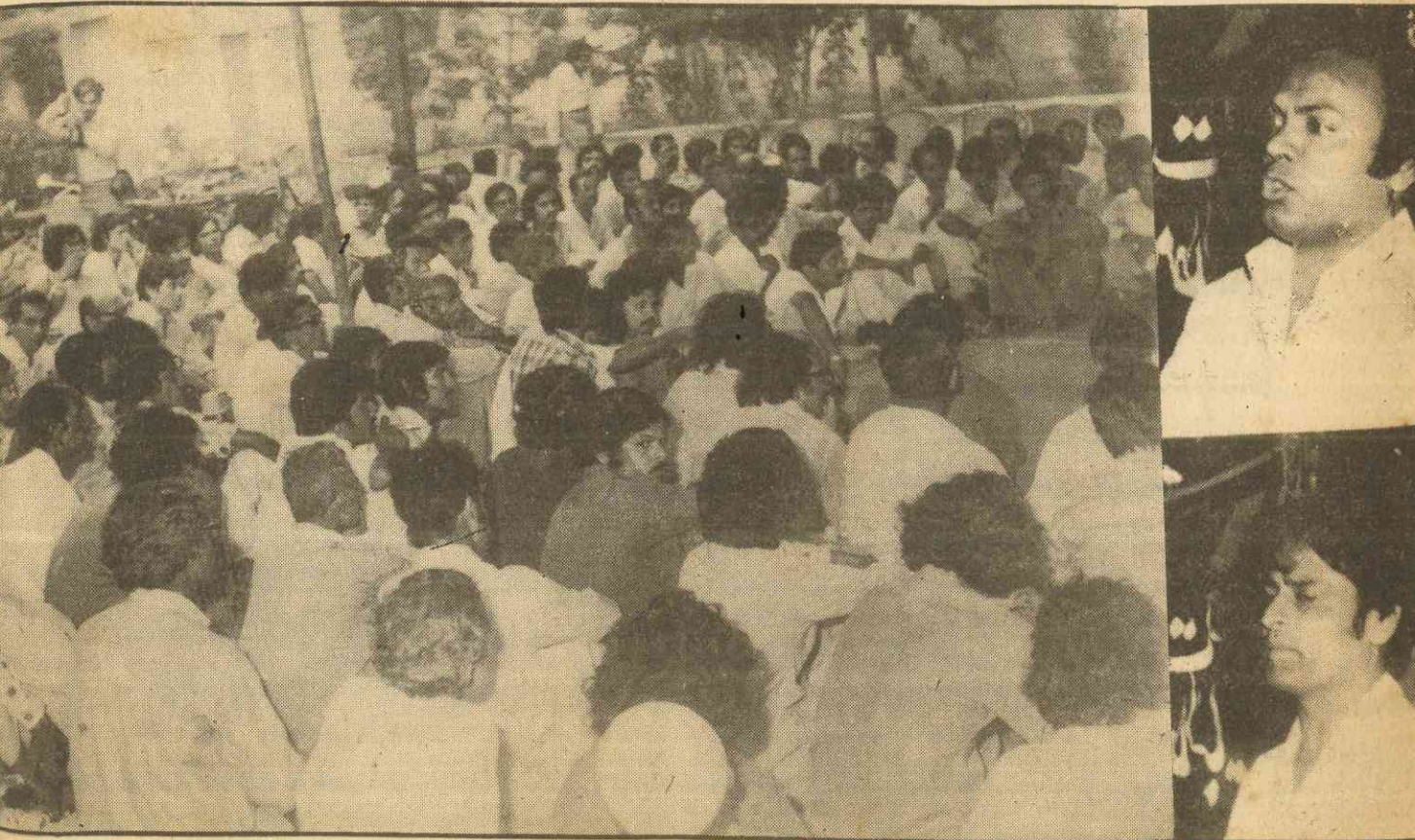
اخباری کارکنوں کی لڑائی میں مظلوم طبقات ہمسفر ہونگے

خلاف جبر کے ہتھکنڈے استعمال ہونے لگتے ہیں۔ ایپنک اور پی ایف یو جے اسی جبر کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں ۔ ان کی یہ مزاحمت جو ہر دور میں جاری رہی آج کے اس دور میں مساوات معیار اور الفنیح کی بحالی کے نام پر ایک کھلی جنگ کا درجہ پاگئی ہے اور اس مقام پر آگئی ہے کہ اس میں واپسی کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ ملک بھر کے اخباری کارکنوں کی قربانیاں اسے روز بروز نکھار رہی ہیں اس دور کے میر جعفر اور میر صادق اپنی تمام کوششوں کے باوجود بھی اس کا زور توڑنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس جنگ کے غازی جھنگ، میانوالی، سرگودھا، ملتان، فیصل آباد اور کوٹ لکھپت کی جیلوں میں ۱۲۴ ڈگری درجہ حرارت میں کمر پر بوریاں لاد کر، دریاں بننے کی کھڈیاں چلا کر گندم پیس کر اور ان کے لچھے سلجھا کر اگر کوئی پیغام بھیجتے ہیں تو یہی کہ آزادیٔ صحافت کی اس جنگ میں ہمیں پسپائی قبول نہیں ہے غداروں کی طرف سے کئے گئے نام نہاد معاہدے کے تحت ہمیں رہائی منظور نہیں ہے ہم ابھی اور کئی بار اور کئی اور کئی سال تک اس سے زیادہ سخت جیلیں کاٹنے کے لئے تیار ہیں۔

نام نہاد معاہدہ

حکومت نے چار کے غدار ٹولے کے ساتھ جو یکطرفہ معاہدہ کیا اس کی حمایت میں کھروا در چیچوں کی ملیاں جیسے عظیم مقامات سے خیر مقدمی بیانات کی بازگشت ریڈیو اور ٹی وی پر ابھی تک سنائی دے رہی ہے لیکن کراچی، ملتان، لاہور اور راولپنڈی جیسے" چھوٹے مقامات" پر اس نام نہاد معاہدے کی اخباری صنعت کے بیشتر کارکنوں نے جو زبردست مذمت کی وہ ریڈیو، ٹی وی پر نہ سہی لوگوں کے ذہن و دل میں جاگزیں ہو گئی ہے اس معاہدے کے ذریعے ایک طرف چار رکنی ٹولے نے اپنے ساتھیوں کے روزگار سے محرومی پر مہر تصدیق ثبت کی تو دوسری طرف آزادیٔ صحافت کے کاز کو بہت سستے داموں فروخت کر ڈالا۔ ایپنک اور پی ایف یو جے نے مساوات کی بندش کے سلسلے میں عائد کردہ ان الزامات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا جو کسی عدالت میں ثابت نہیں کئے گئے تھے جب کہ یہ چاروں مساوات کی طرف سے یکطرفہ طور پر بے شمار ضمانتیں دے کر اسے فوجی حکومت کی عدالت میں مجرم ثابت کر آئے مساوات لاہور بحال ضرور ہوا ہے لیکن اس نے اس نام نہاد معاہدے کی کسی شرط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اس نے اپنے اداریئے میں اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے ایسی پالیسی کو اپنایا ہے جو موجودہ حکومت کے لئے قابل برداشت نہیں ہے۔ نام نہاد مذاکراتی کمیٹی جو اعلیٰ ہوٹلوں کے ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں سرکاری مہمان رہ کر سرکاری خرچوں پر ہوائی جہازوں میں ادھر سے ادھر پھر رہی ہے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ایپنک اور پی ایف یو جے کی مسلمہ قیادت کے خلاف بیانات کے گولے داغ رہی ہے لیکن وہ بری طرح عریاں ہو چکی ہے کہ وہ غداری کی دستاویز جسے وہ معاہدے کا نام دیتی ہے کی اس شق پر بھی عملدرآمد نہیں کرا سکی جس میں تمام سزا یافتہ اور گرفتار شدگان کی

پاکستان میں صحافیوں کے خلاف حکومت کے بہیمانہ رویے پر

غیر ملکی صحافیوں کا احتجاج

امریکہ میں متعین غیر ملکی صحافیوں کی ایسوسی ایشن کا آغا شاہی کو مکتوب

اقوام متحدہ ۳۰ مئی - پچاس سے زائد ممالک کے امریکہ میں متعین اخباری نمائندوں کی ساٹھ سالہ اور انتہائی باوقار تنظیم فارن پریس ایسوسی ایشن (ایف پی اے) نے آج پاکستان میں صحافیوں کے خلاف بربریت آمیز اور ہراساں کرنے والے اقدامات پر بہت سخت الفاظ میں احتجاج کیا ہے۔ انہوں نے پاکستان کے مشیر امور خارجہ مسٹر آغا شاہی کے ذریعے جو آج کل جنرل اسمبلی کے تخفیف اسلحہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے آئے ہوئے ہیں اپنا یہ احتجاج پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تک پہنچایا ہے۔ اس اس میں "مصدقہ رپورٹوں" کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ "پاکستان میں صحافیوں کے ساتھ گرفتاریوں اور سزاؤں کا بہیمانہ رویہ اختیار کیا جا رہا ہے" اور خاص طور پر چار صحافیوں کو وحشیانہ انداز میں کوڑے بھی مارے گئے ہیں"۔ ایسوسی ایشن نے کہا ہے کہ "ان اقدامات سے ایسوسی ایشن میں سخت اشتعال اور ردِ عمل پایا جاتا ہے"۔

امریکہ میں غیر ملکی صحافیوں کی سب سے قدیم تنظیم نے اپنے احتجاجی مکتوب میں مزید کہا ہے کہ "یہ بات انتہائی صدمے اور تعجب کا باعث ہے کہ تاریخ کے اس موڑ پر ایک مہذب ملک کی حکومت دورِ قدیم کے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے"۔

ایسوسی ایشن نے مسٹر آغا شاہی سے اپیل کی کہ "ہمارے یہ الفاظ اپنی حکومت اور خاص طور پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تک پہنچا دیں کہ وہ ان اقدامات کو فوری طور پر ختم کریں"۔

اس احتجاجی مکتوب پر ایسوسی ایشن کے صدر کیبٹرن اور رینس نے دستخط کئے ہیں جو امریکہ میں اٹلی کے سرکاری ریڈیو کے نمائندے ہیں۔

رہائی کا تذکرہ کیا گیا تھا وہ اپنے ناموں اور دستخطوں کے احترام میں اس بارے میں ایک جملہ کہنے کے بھی روادار نہیں ہو سکے ہیں۔

مجالسِ عاملہ کے اجلاس

سرکاری اخبارات میں رشید صدیقی اور محمود جعفری کے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہونے والے بیانات کے باوجود پی ایف یو جے اور ایپنک کی مجالس عاملہ کے اجلاس جاری ہیں۔ اجلاسوں میں شرکت کے لئے حیدر آباد، ملتان، فیصل آباد، بہاولپور، لاہور، راولپنڈی اور پشاور سے بڑی تعداد میں اخباری صنعت کے منتخب نمائندے کراچی پہنچے ہیں۔ اجلاس چند روز کے لئے معطل کی جانے والی تحریک کو دوبارہ شروع کرنے کے سلسلے میں اپنا لائحہ عمل مرتب کر رہے ہیں۔ اپنے عزم اور اپنی قوت کو وہ از سر نو مجتمع کر کے وہ قربانیوں کا یہ سفر پھر شروع کریں گے اور اس مرتبہ آزادئ صحافت کی اس تحریک میں عوام کے دوسرے طبقات بھی ان کے ہمسفر ہوں گے کہ یہ لڑائی صرف اخباری کارکنوں کی نہیں اس ملک کے تمام مظلوم طبقات کی مشترکہ لڑائی ہے۔

اے پی پی میں انتظامیہ کے ایجنٹوں کا محاسبہ کیا جائے

اے پی پی ایمپلائز یونین کے صدر ظفر احمد کا بیان

اے۔ پی۔ پی ایمپلائز یونین کے صدر اور کراچی یونین آف جرنلسٹس کے یونٹ چیف ظفر احمد نے ۱۴ مئی کو پی پی آئی سے اے۔ پی۔ پی کے ملازمین کے کسی عام اجلاس کے انعقاد کی خبر کی پر زور الفاظ میں تردید کرتے ہوئے اسے مسخ شدہ اور بے بنیاد بتایا اپنے بیان میں ظفر احمد نے کہا کہ اس من گھڑت اجلاس کی خبر ایک ایسے شخص کی جانب سے شائع کرائی گئی ہے جو کسی طرح بھی اے پی پی کے ملازمین کی نمائندگی نہیں کرتا اور اس خبر کو شائع کرانے کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ حکومت سے اپنے ذاتی مفادات پورے کر سکے۔

ظفر احمد نے کہا کہ اے۔ پی۔ پی کے ایک ملازم کا اسپیشل الاؤنس اور دیگر سہولتیں حاصل کرنے کے لئے معاملہ اے پی پی کی انتظامیہ کے پاس زیر غور ہے جسے اس شخص نے یونین اور انتظامیہ کے تعلقات خراب کرانے کے لئے استعمال کیا بظاہر اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اے۔ پی۔ پی انتظامیہ کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال میں لائے۔ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ اے۔ پی۔ پی کے پورے سندھ میں ملازمین کی تعداد سو سے کم ہے ان میں وہ ملازمین بھی شامل ہیں جو حیدر آباد اور سکھر کے دفاتر میں کام کرتے ہیں عموماً کسی بھی دن یا رات کی شفٹ میں کراچی کے دفتر میں ملازمین کی حاضری ۵۰ سے زیادہ نہیں ہوتی اس لئے اس خبر میں ملازمین کی جو تعداد دی گئی ہے وہ کسی بھی اجلاس میں کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ حیدر آباد اور سکھر کے ملازمین تو فوری طور پر بلائی گئی کسی میٹنگ میں شریک ہو ہی نہیں سکتے اس لئے اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اے پی پی سندھ کے ملازمین کے سوا اکین کی جانب سے دی جانے والی خبر میں کس حد تک صداقت ہے۔

اس سے قطع نظر کہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو بھیجے جانے والے ٹیلی گرام سے جو اے۔ پی۔ پی کے ملازمین کے نام سے بھیجا گیا اس شخص کے کردار کی نقاب کشائی ہو جاتی ہے۔ اس شخص کی حقیقت یہ ہے کہ یہ پچھلے کئی سال سے یونین کے انتخاب میں ناکام ہو رہا ہے اور اسے یونین کے کسی بھی عہدے پر کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی یہ شخص اے۔ پی۔ پی کی ملازمت کرنے کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم بزنس بھی کرتا ہے درحقیقت صحافت میں کام کرنے کا اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ اپنے بزنس کے لئے استعمال کرے اس کے انہیں کرتوت کی وجہ سے حیدر آباد سے اس کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص انتظامیہ کا ایجنٹ اور پولیس کا مخبر ہے۔ کراچی میں آکر بھی اس کا یہ کاروبار جاری ہے ایک پیٹرول پمپ کے علاوہ بہادر آباد میں اس کی ایک ریکروٹنگ ایجنسی بھی چل رہی ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تمام گھٹیا حرکتوں کے باوجود اسے حال ہی میں گریڈ ون میں ترقی ملی ہے اور اس ترقی کا بنیادی سبب یونین کے خلاف اس کی سرگرمیاں ہیں۔

ان دنوں ایک انکوائری کمیشن اے۔ پی۔ پی کے معاملات کی تحقیقات میں مصروف ہے اس لئے یہ شخص جو اپنی حرکات پر پردہ ڈالنے کے لئے انتظامیہ کو خوش کرنے کے لئے اس قسم کی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں یہ پیپلز پارٹی کا ایک سرگرم کارکن تھا، اور اس کے پیپلز پارٹی کے تقریباً تمام ممتاز رہنماؤں سے ذاتی تعلقات تھے اور ان دنوں اس نے اے۔ پی۔ پی کو بھی پیپلز پارٹی کے لئے بڑھ چڑھ کر استعمال کیا۔

ظفر احمد نے مارشل لا اتھارٹی سے مطالبہ کیا کہ اس شخص نے ماضی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اس کی بنیاد پر اس کا احتساب ہونا چاہیئے اس شخص کی سرگرمیوں کی تحقیقات کی صورت میں بعض اہم سنسنی خیز انکشافات ہوں گے، لیکن اس شخص نے اب اس بات کی کوششیں شروع کر دی ہیں کہ مارشل لا اتھارٹی

کی ہمدردیاں بھی سمیٹنے اور اس کے لئے انتظامیہ کی سرپرستی حاصل کرے۔

۱۴ مئی کولے پی پی ایمپلائز یونین کے نام پر ہونے والے اجلاس کی خبر جس کی ابلاغ عامہ سے بڑے پیمانے پر تشہیر کرائی گئی دراصل اسی شخص کی اختراع ہے جو اس قسم کے ہتھکنڈوں سے انتظامیہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے ظفر احمد نے اپنے بیان میں کہا کہ اے پی پی کے کارکنوں کے عام طور پر اجلاس ہوتے ہی رہتے ہیں جنہیں پی ایف یو جے، اور ایپنک کے مطالبات کے سلسلے میں آواز اٹھائی جاتی ہے مگر اسی اسطرح کبھی تشہیر نہیں کرائی جاتی۔

ظفر احمد نے اپنے بیان کے آخر میں کہا کہ ہم قانون کی بالادستی پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ تصادم کے بجائے پرامن طریقے سے بات چیت کے ذریعے مسائل حل کئے جائیں ہم ماضی کی طرح آئندہ بھی اپنی یہ پُرامن جدوجہد جاری رکھیں گے۔

∞

جاوید اقبال کے کارٹون

جن مین ہولوں پر ڈھکنے نہیں۔ اُن کے اندر بلب ہی لگادیں...
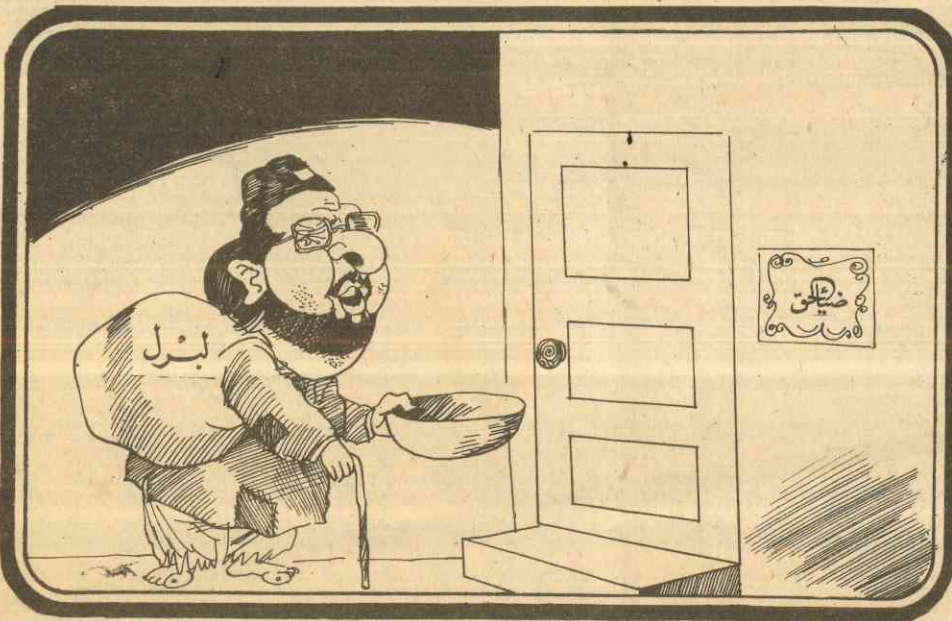
اللہ کے نام پر کوئی کرسی، کوئی سٹول.... کوئی بنچ، کوئی پیڑھی.... یا کم از کم کوئی تسلی ہی

جانبداری کے سبب
سامع بنچ کی عادلانہ صلاحیت
قطعی طور پر مفلوج ہو چکی تھی

لاہور ہائیکورٹ کے بنچ نے شہادت کو مسخ کر کے استغاثہ کے بچاؤ کی مہم جاری رکھی

یہ اس نے اپنے سابقہ دو بیانات میں نہیں کہا تھا۔ یا اصلاح شدہ بیان پہلی مرتبہ عدالت میں دیا گیا تاکہ میاں عباس کے ذریعہ (گولیوں کی) تبدیلی کے نظریہ کی تائید ہو سکے۔ سامع بنچ نے پیرا ۱۵۴ میں اسے بطور شہادت کے استعمال کیا ہے اور میاں عباس سے کیا جانے والا سوال ۵۵ اسی کی بنیاد پر تیار کیا گیا تھا۔

بیسیتے ونہم

گواہ استغاثہ ۳۱ غلام حسین نے شہادت کے صفحات ۵۵۱ اور ۵۵۲ میں کہا:

"جب میں نے کیمپ ختم کر دیا تو میں نے کیمپ کے بقیہ گولہ بارود جو استعمال شدہ تھے یا غیر استعمال شدہ سب افضل علی ایس آئی کو واپس کر دیا۔ میں نے ایک روڈ سرٹیفیکیٹ کی بنیاد پر انہیں واپس کیا۔ میرے پاس ۵۱ خول کم تھے جن میں ۳۰ وہ تھے جو لاہور میں اور ۷ وہ تھے جو اسلام آباد میں استعمال

کیے گئے تھے۔ اور بقیہ وہ تھے جو تربیت حاصل کرنے والوں نے پریکٹس فائرنگ کے دوران گم کر دیئے تھے اور میں اس سے باخبر تھا۔ بہرحال مجھے امید تھی کہ فضل علی مجھ سے یہ چیزیں واپس لے لے گا اور باہمی اعتماد کی بنا پر چیکنگ نہیں کرے گا۔ اور اس طرح اس کا پتا نہ لگ سکے گا۔ لیکن اس نے عملاً چیکنگ شروع کر دی اور کمی کا پتا لگ جانے پر اس نے ۱۵ پیٹیوں کی کمی پوری کیے بغیر ان چیزوں کو وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ کمی اسٹین گن کی خالی پیٹیوں میں تھی اور میں نے سارے معاملے کی رپورٹ میاں محمد عباس کو کر دی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تین چار دنوں کے بعد پھر رپورٹ کرنا اس وقت تک میں اس کمی کو پورا کرنے کا کوئی بندوبست کر لوں گا۔ میں اس گولہ بارود کے ساتھ کانڈو کیمپ واپس چلا گیا اور تین چار دنوں کے بعد میاں عباس کے پاس واپس گیا۔ انہوں نے مجھے ایک خالی لفافہ دیا جس میں اسٹین گن کی گولیوں کے ۱۵ خالی کیس تھے۔ میں فضل علی کے پاس گیا اور سارے گولہ بارود رد سرٹیفکیٹ ایکس پی ڈبلیو ۹/۴۲ کی بنیاد پر واپس کر دیئے جن پر میرے دستخط تھے۔

یہ ساری کہانی گواہ نے پہلی مرتبہ عدالت میں کہی جس کا اس کے سابقہ بیانات میں کوئی ذکر نہیں۔ سامع بنچ نے اس کہانی پر فیصلے کے پیراگراف ۴۱۳ میں اعتبار کیا ہے تاکہ ٹی اے بل (ایکس پی ڈبلیو ۶/۳۱) کو جس سے ان دنوں غلام حسین کی پشاور میں موجودگی ثابت ہوتی ہے جعلی ثابت کیا جا سکے۔

(س) گواہ استغاثہ ۳۱ غلام حسین شہادت کے صفحات ۵۵۵-۵۵۶ میں کہتا ہے:

روزنامچہ میں اپنی آمد ریکارڈ کرانے کے بعد تیسرے دن میں نے اپنی پشاور روانگی کا ریکارڈ کرایا۔ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ میاں عباس نے مجھے ایسا کرنے کے لیے کہا تھا تاکہ یہ دکھایا جا سکے کہ میں راولپنڈی میں نہیں تھا۔ یہ اندراج روزنامچہ میں ایکس پی ڈبلیو ۴/۳۱ کے تحت درج ہے جس پر میرے مختصر دستخط ہیں یہ اندراج ۲۲ نومبر ۱۹۷۴ء کو میری موجودگی میں کیا گیا تھا۔ لیکن میں پشاور گیا نہیں بلکہ روزنامچے میں اس اندراج کے بعد بھی میں راولپنڈی ہی میں رہا اور کانڈو کیمپ میں اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔"

صفحہ ۵۵۶ میں وہ یہ بھی کہتا ہے۔

"جن دنوں لاہور میں خصوصی فرائض انجام دیتا رہا ان دنوں کے لیے میں نے اپنے ٹی اے/ڈی اے برائے کراچی کا مطالبہ کیا۔ یہ میاں محمد عباس کے حکم سے کیا تھا۔"

یہ جھوٹے بیانات گواہ نے پہلی مرتبہ عدالت میں دیئے جن کا اس کے سابقہ دو بیانات میں کوئی ذکر نہیں۔ اس اصلاح کا مقصد ظاہر ہے۔ دفاع نے گواہ کا ٹی اے بل طلب کیا تھا تاکہ یہ دکھایا جا سکے کہ واقعہ لاہور کے دوران وہ فی الحقیقت کراچی میں تھا لہٰذا استغاثہ نے یہ جھوٹا اور من گھڑت متن ریکارڈ کرایا تاکہ اس رکاوٹ کو دور کر سکے۔ سامع بنچ نے اس شہادت کو مذکورہ بالا مقصد کے لیے فیصلے کے پیراگراف ۴۱۳ میں کام لیا ہے۔

(ہ) مذکورہ بالا چند مثالیں ان فروگذاشت/اصلاحات کی ہیں جو سامع بنچ کی رولنگ کے مطابق ٹھوس نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود انہیں اپیل کنندہ کے خلاف بطور ملوث کرنے والی شہادت کے قبول کیا گیا ہے۔ اور اسے مجرم قرار دینے کی بنیاد کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ گواہان استغاثہ کے فروگذاشت اور اصلاحات کی یہی مکمل مثالیں نہیں ہیں بلکہ یہی طریق کار استغاثہ کے تقریباً ہر گواہ کے معاملے میں اختیار کیا گیا ہے۔

و:۔ بعض اوقات سماعت کرنے والی بنچ نے اس امر کا تعین بھی خود گواہ پر چھوڑ دیا کہ آیا کوئی فروگذاشت واقعی تضاد کے مترادف ہے یا نہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گواہ کی رائے یہ ہوتی کہ فروگذاشت واقعی تضاد کے مترادف نہیں تو سماعت کرنے والی بنچ نے اس کی بات کو تسلیم کر لیا۔ مثال کے لیے اس معزز عدالت کی توجہ سماعت کرنے والی بنچ کے حسب ذیل اظہار کی طرف منعطف کرائی جاتی ہے جو شہادت کے ریکارڈ کے صفحہ ۲۶۵ پر موجود ہے۔

"سوال: میں آپ کی یادداشت کو تازہ کرنے کے لیے آپ کی توجہ آپ کے مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۶۴ کے تحت قلمبند کیے جانے والے بیان کی طرف منعطف کراتا ہوں۔ براہ مہربانی کیجئے کہ آپ نے اس میں ذکر کیا ہے کہ "انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور صاف طور پر کہا کہ ایف ایس ایف کو علیحدہ رکھو"!

نوٹ۔ گواہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اسے اہم معاملہ سمجھتا ہے۔ اگر فاضل وکیل چاہیں تو اس سے پوچھ سکتے ہیں کہ آیا وہ اسے ایسا سمجھتا ہے جو سوال پوچھا گیا ہے اس مرحلے پر پیدا نہیں ہوتا)

کیا آپ اس بات کو اہم معاملات میں سے ایک سمجھتے ہیں کہ انہوں (وزیراعظم) نے مجھے طلب کیا اور صاف طور پر کہا کہ "ایف ایس ایف" کو علیحدہ رکھو"۔

جواب:" میں نے انہیں لاہور سے واپسی پر وزیراعظم کو مطلع کیا کہ اس قتل میں جو اسلحہ استعمال ہوا ہے وہ ایف ایس ایف کے زیر استعمال ہے اور مجھے ہدایت کی گئی کہ جا کر سیکرٹری دفاع اور باڑہ سے اس کی دستیابی کا بندوبست کروں۔ اس حقیقت سے بذاتِ خود ایف ایس ایف کو علیحدہ رکھنے کے مضمرات صاف ظاہر تھے۔ اگر میں نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۶۴ کے تحت اپنے بیان میں "ایف ایس ایف کو علیحدہ رکھو"۔ کے الفاظ کو چھوڑ دیا ہے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ بنا بریں میں اس فروگذاشت کو اہم معاملہ نہیں سمجھتا۔"

یہ شہادت کے ان اہم ترین حصوں میں سے ایک ہے جس پر سماعت کرنے والی بنچ نے اپیل کنندہ کے نام نہاد "بعد کے رویے" کا فیصلہ کرتے وقت غور کیا ہے۔ اور اسے ایسی شہادت کی بنیاد پر سزا دی گئی ہے۔ جو واضح طور پر اضافہ تھا اور اس گواہ کے سابقہ بیانات میں سے کسی میں جس کا وجود نہیں تھا۔ اس معزز عدالت کی توجہ فیصلے کے پیراگراف ۴۹۹ میں بنچ کے حسب ذیل اظہار کی جانب مبذول کرائی جاتی ہے:۔

استغاثے کے گواہ ۳ نے مزید بیان کیا کہ سیکرٹری دفاع کی مذکورہ بالا رپورٹ ملنے پر وہ ششدر رہ گیا۔ جس میں یہ بات ظاہر کی گئی تھی کہ چینی اسلحہ فیڈرل سیکورٹی فورس کے زیر استعمال تھے جبکہ اسے اصل ملزم سے یہ ہدایات ملی تھیں کہ فیڈرل سیکورٹی فورس کو علیحدہ رکھا جائے ..."

(۲۲) اسی طرح سماعت کرنے والی بنچ نے معمول کے برخلاف اپیل کنندہ کے حق میں جانے والی ان شہادتوں کو خارج کر دیا جو استغاثے کے مقدمے کی اصل بنیادوں پر ضرب لگاتی تھی۔ مثال کے طور پر دستاویز EXh. PW D-3/16 کے داخل کرنے کی اجازت خود بنچ نے دی تھی جبکہ وکیل استغاثہ یہ کہہ چکے تھے کہ اصل کا پتہ نہیں چل سکا۔ گواہ استغاثہ ۔۳ سعید احمد نے اس دستاویز اور اس پر اپیل کنندہ کی تصدیق کے مستند ہونے کو ثابت کر دیا تھا۔ اس کے بعد بنچ نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ یہ دستاویز

عزیز احمد - فاروق لغاری - نذر کیانی سپریم کورٹ میں کارروائی سننے آرہے ہیں

سامع بنچ نے کسی بنیاد کے بغیر تصدیق کو جعل سازی قرار دیا

استغاثے کے مقدمے کے لیے مضر ہے۔ اس نوٹ کا اضافہ کیا کہ یہ دستاویز اس شرط کے ساتھ شامل کی گئی ہے کہ استغاثہ اس پر اعتراض کر سکتا ہے۔ اعتراض کی نوعیت کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس دستاویز کو مسترد کرتے ہوئے سماعت کرنے والی بنچ اپنے فیصلے کے پیراگراف ۴۰۲ میں کہتی ہے:۔

"فاضل وکیل سرکار نے Exh. PW 3/16-D کے طور پر فوٹو اسٹیٹ کاپی کو بطور شہادت شامل کرنے پر اعتراض کیا۔ دستاویز کو شہادت میں اسی اعتراض سے مشروط کر کے شامل کیا گیا تھا۔ کیونکہ بیان کیا گیا تھا کہ اس وقت اصل پیش نہیں ہو رہا تھا۔ اس اعتراض کو تسلیم کیا جانا چاہیئے کیونکہ اصل ملزم کی طرف سے اصل کے گم ہو جانے کو ثابت کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی ہے۔ نہ ہی اس نے اصل طلب کیا ہے"۔

اس اعتراض کو کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ سماعت کرنے والی بنچ کا اظہار اس حکم سے متضاد تھا جو اس نے اس دستاویز کو شہادت میں شامل کرتے وقت دیا تھا۔ قانون شہادت کی دفعہ ۶۵ کی ضروریات کی خاطر خواہ تکمیل ہو چکی تھی اور سماعت کرنے والی بنچ نے بڑے غیر منصفانہ طریقے پر اس واقعے کو غلط طور پر بیان کیا کہ اپیل کنندہ نے اصل دستاویز طلب نہیں کی تھی۔ اس معزز عدالت کی توجہ اپیل کنندہ کی مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء جو متفرق درخواستوں کی جلد کے صفحات ۴۶ - ۴۷ پر اور اس درخواست پر سماعت کرنے والی بنچ کے مورخہ یکم نومبر ۱۹۷۷ء کے حکم (متفرق احکامات کی جلد کے صفحات ۲۱-۲۲) کی جانب مبذول کرائی جاتی ہے جو سماعت کرنے والی بنچ کے پیراگراف ۴۰۲ میں مذکورہ بالا بیان کی تردید کرتا ہے اور اس کے گہرے تعصب کو ثابت کرتا ہے۔

نیز فیصلے کے پیراگرافوں ۵۶۴ اور ۵۶۵ میں جن کا تعلق اس دستاویز سے ہے جس نے کم از کم اپیل کنندہ کے مقصد اور بعد کے رقیبے کے سوال پر استغاثے کے مقدمے کو مسمار کر دیا تھا۔ سماعت کرنے والی بنچ نے کسی بنیاد کے بغیر یہ فیصلہ کر دیا کہ تصدیق جعلی ہے۔ گواہ استغاثہ کی طرف اپیل کنندہ کے روپے سمیت ہر ایک حالت اس تصدیق کے متن کی توثیق کرتی ہے جسے جعلی قرار دیا گیا ہے۔ سماعت کرنے والی بنچ کی طرف سے دیا گیا جواز کہ دستاویز پر اپیل کنندہ کی دو تصدیقات ہیں اور کیونکہ ان میں ایک تصدیق کا نہ تو کوئی فرد مخاطب تھا نہ ہی اسے کسی کی نظر سے گزرنا تھا۔ اس لیے یہ جعلی تھی قابل قبول نہیں۔

(۴۳) کہ سماعت کرنے والی بنچ نے اس شہادت پر انحصار کیا ہے جو اپیل کنندہ کے خلاف تھی اور جسے خود اس بنچ نے ناقابل قبول قرار دیا تھا۔ مثال کے طور پر استغاثے کے گواہ ۳۶ نے خولوں کے پیندوں پر نشانات سے متعلق اپنے بیان کے دوران کہا (صفحہ ۶۵۹) کہ:۔ "میں نے ان ۲۴ خولوں کے پیندوں کو دیکھا ہے۔ اور پتہ چلایا ہے کہ ان میں سے ۲۲ پر ایک بنچ کے نشانات ہیں۔ اور بقیہ دو پر ۲۲ کے مقابلے میں مختلف بنچ کے نشانات ہیں۔ ۲۲ خولوں کے پیندوں پر جو کندہ ہے وہ 661/71 ہے مگر کمزور نگاہ والے اور قریب سے معائنہ نہ کرنے والا فرد اسے BB1/71 پڑھ سکتا ہے (اس بعد والے جواب کو شہادت کا حصہ تصور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا تعلق گواہ کی مہارت سے نہیں ہے۔ اور اسے اس خاص نکتے کے بارے میں ماہر نہیں مانا جا سکتا کہ اس کی رائے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اسی بات پر فاضل وکیل کے یہ کہنے سے بھی ذرہ برابر اثر نہیں پڑے گا کہ گواہ ماہر تحریر بھی۔ ایسے ماہر کا کام دستی تحریر کی شناخت کرنا ہے اور اسے لکھنے والے فرد کی بینائی کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا)"

جب سماعت کرنے والی بنچ نے یہ دیکھا کہ یہ شہادت استغاثے کے فائدے میں اور اپیل کنندہ کے خلاف استعمال کی جا سکتی ہے تو فیصلے کے پیراگراف ۴۲۴ میں حسب ذیل خیال ظاہر کیا۔

"اس سے موجودہ خولوں کے پیندوں کے نمبر آسانی سے نہیں پڑھے جا سکتے اس کو تقویت استغاثے کے گواہ ۳۶ کی شہادت سے ملتی ہے اس نے کہا تھا کہ ۲۲ خولوں کے پیندوں پر لکھا ہے وہ ہے No.661/71 لیکن اسے وہ شخص جس کی بینائی کمزور ہو اور اسے غور سے نہ دیکھے BB1/71 پڑھ سکتا ہے؟"

اس طرح جسے شہادت کے ریکارڈ کا حصہ نہ ہونا چاہیئے تھا اسے زیر غور لایا گیا۔ اور آسانی سے ریکارڈ کا حصہ بن گیا اور اپیل کنندہ کو سزا دینے کے اسباب میں سے ایک سبب بن گیا اس سے مزید سماعت کرنے والی بنچ کے تعصب کی بناء پر عدل صلاحیت کے مفلوج ہو جانے کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

۲۴- کہ استغاثے کی شہادت میں جہاں کہیں بھی خلا تھا جس کو پر کرنے میں استغاثہ ناکام رہا تھا وہاں سماعت کرنے والی بنچ کے استغاثے کو شبہے کا فائدہ دیا۔ اقبالی مجرم نے ۱۲ نومبر ۱۹۷۴ء کو عدالت کے سامنے اپنے بیان میں کہا کہ دن کو ڈھائی بجے راولپنڈی پہنچنے پر اس نے میاں محمد عباس سے رابطہ قائم کیا۔ مگر ریکارڈ پر موجود شہادت نشاندہی کرتی ہے کہ اس دن ڈھائی بجے میاں محمد عباس پشاور میں تھے۔ اور اس شام بعد میں اسلام آباد پہنچے اور اپنے گھر شام تقریباً ۷ بجے پہنچے۔ سماعت کرنے والی بنچ نے اقبالی مجرم غلام حسین کے حلفیہ بیان کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے بجائے اسے شبہے کا فائدہ دیتے ہوئے فیصلے کے پیراگراف ۸۰۵ میں کہا۔

سپریم کورٹ کے کیفے ٹیریا میں یحییٰ بختیار اور عزیز احمد محو گفتگو ہیں

"ہو سکتا ہے کہ اس نے ان سے تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد چار پانچ گھنٹے بعد رابطہ قائم کیا ہو"

کیا گواہ نے کہا تھا کہ اس نے میاں عباس سے چار پانچ گھنٹے بعد ملاقات کی تھی۔؟ کیا گواہ نے کہا تھا کہ اس نے تھوڑی دیر آرام کیا تھا۔؟

گواہ نے صاف صاف کہا کہ راولپنڈی پہنچنے پر اس نے میاں عباس سے رابطہ قائم کیا۔ سماعت کرنے والی بنچ چار پانچ گھنٹے آرام کرنے والی بات کیوں لائی تاکہ اس گواہ کے حلفیہ بیان مشکوک نہ ہوں۔ یا اس اہم نکتہ پر شک نہ ہو۔

۲۵- اسی طرح جب استغاثے کی شہادت میں انتہائی نمایاں تضاد تھا جس سے اس مقدمہ کو نقصان پہنچتا تو سماعت کرنے والی بنچ نے شہادت کو توڑ مروڑ کر بچاؤ کی کارروائی انجام دی۔ مثال کے طور پر استغاثے کے گواہ ۲۱۔ اقبالی مجرم غلام حسین نے سماعت کرنے والی بنچ کے سامنے اپنے بیان میں یہ نہیں کہا کہ وقوعہ کے وقت اس نے پستول سے گولی چلائی" اس کی گواہی یہ تھی کہ ارشد اقبال نے ہوا میں گولی چلائی اور رانا افتخار نے کار پر گولی چلائی جب کہ وہ اس وقت گلی میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا اس موقع پر اپنا پستول استعمال کرنے یا اس سے گولی چلانے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ رانا افتخار اور ارشد اقبال نے اپنے اقبالی بیانات میں کہا تھا کہ یہ اقبالی مجرم غلام حسین تھا جس نے احمد رضا قصوری کی کار پر اپنے پستول سے گولی چلائی تھی جب جرح کے دوران اقبالی مجرم سے سوال کیا گیا کہ آیا اس نے اپنے پستول سے کار پر گولی چلائی تھی تو اس نے "غالباً" کہا کہ اسے یاد نہیں اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ارشد اقبال اور رانا افتخار نے گولی چلائی۔ لیکن خود اپنے گولی چلانے کے بارے میں یہ معاملہ چھوٹی سی تفصیل بن گیا۔ اس لیے وہ یاد نہ رکھ سکا۔ بہرحال معاملہ یہاں ختم نہیں ہو جاتا اس پر جرح کے دوران اس نے کہا کہ اسے یاد نہیں لیکن اس سے جب مزید سوال کیا گیا تو اس نے زور دے کر کہا کہ اس نے اپنے پستول سے بالکل گولی نہیں چلائی۔ صفحہ ۳۱۱ پر اس پر جرح کے دوران اس نے جو کہا وہ یہ ہے۔

سوال۔ کیا تم نے ۱۰ اور ۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کی رات ایک بجے اپنے پستول سے گولی چلائی اور اس کے بعد احمد رضا قصوری کی کار پر اسٹین گن سے گولیاں چلائی گئیں؟

جواب:۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنے پستول سے گولی چلائی تھی کہ میں اس چوراہے سے جہاں سے فائرنگ ہوئی۔ ۳۰ گز کے فاصلے پر سڑک کی ایک شاخ دائیں طرف ہے اور میں اس سڑک پر ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا میں اس مقام سے جہاں یہ دو سڑکیں ملتی ہیں۔ ۲۰ گز کے فاصلے پر تھا اس عرصے میں میں نے کارروائی کے منصوبے پر لیاقت اور رانا افتخار سے بحث جاری رکھی۔ اور لیفٹیننٹ غلام مرتضیٰ سے بھی میں سمجھتا ہوں کہ وقوعے کے وقت میرے پاس کوئی دستی بم نہیں تھا جب سڑک پر میرے سامنے سے کار گذری تو میں نے اس پر فائرنگ نہیں کی جب میں گلی میں ٹہل رہا تھا میں نے اپنے پستول سے گولی نہیں چلائی۔

سوال:۔ کیا تم نے اسٹین گن سے گولیاں چلانے کی آواز سننے سے پہلے اور جب تم گلی میں ٹہل رہے تھے اپنے پستول سے گولی چلائی؟

جواب۔ نہیں

گواہ کے اس پرزور انکار کے باوجود کہ اس نے اپنے پستول سے گولی نہیں چلائی سماعت کرنے والی بنچ نے اسے استغاثے کے لیے مفید سمجھا۔ اقبالی مجرم اور دوسرے شریک کار جرم کے حلفیہ بیان اور اقبالی بیانات کے تضاد کو پیراگراف ۲۰۵ میں یہ کہہ کر حل کیا کہ

۲۶- "دلیل میں اس بات کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ غلام حسین نے جرح کے دوران بیان کیا کہ اسے یاد نہیں کہ اس نے گولی چلائی۔ یہ بیان اس امکان کو خارج نہیں کرتا کہ اس نے گولی چلائی۔"

یہ شہادت کہ استغاثے کے حق میں اور اپیل کنندہ کے سخت خلاف بنچ کی بے راہ روی کی مثالوں میں صرف ایک مثال ہے۔ وقوعہ کے متعلق استغاثے کے مقدمے میں ایک دوسرے کو تباہ کرنے والے بیانات میں مطابقت پیدا کرنا غالباً ممکن نہیں تھا لیکن سماعت کرنے والی بنچ نے ایسا کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ اوپر بیان کردہ باتوں سے ظاہر ہے

۲۶ نیز سماعت کرنے والی بنچ نے استغاثے کے گواہوں کی ایسی شہادت کو نظر انداز کیا ہے جو تھوڑی سی تفصیلات کے اعتبار سے چند دوسرے گواہان استغاثہ کے بیانات کی تردید کرتی تھی۔ مثال کے طور پر استغاثے کے گواہ مسٹر

ایک امکان کہ فوجی حکومت کا تختہ الٹ جائے، دوسرا یہ کہ امریکہ کے زیرِ اثر ہی ایک اور انقلاب برپا ہو،

مسعود محمود کے ڈرائیور استغاثے کے گواہ ۲۱ نے مسعود محمود کے اس اضافہ شدہ بیان کی تردید کی کہ ۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کی صبح وزیراعظم نے انہیں طلب کیا تھا اور وہ ان سے ملنے کے لئے صادق حسین قریشی کی قیامگاہ پر گئے تھے سماعت کرنے والی بنچ نے اس گواہ کی ایک ٹھوس تفصیل کے بارے میں شہادت کا سرے سے نوٹس ہی نہیں لیا جس سے استغاثے کے بنیادی گواہ اقبالی مجرم کی گواہی کی نفی ہو جاتی ہے

(د) آیا کوئی فروگذاشت مادی طور پر تضاد ہے یا نہیں اس کا فیصلہ سامع بنچ کبھی کبھی خود گواہ پر چھوڑ دیتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر گواہ کا خیال یہ ہوتا کہ یہ فروگذاشت مادی طور پر تضاد نہیں تو سامع بنچ اس کی بات مان لیتی۔ مثال کے طور پر) اس معزز عدالت کی توجہ سامع بنچ کے مندرجہ ذیل تبصرے کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے جو شہادت کے ریکارڈ کے صفحہ ۲۶۵ پر ہے۔

سوال :- میں آپ کی توجہ آپ کی یادداشت تازہ کرنے کے لئے آپ کے اس بیان کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو آپ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر ۱۶۴ کے تحت ۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کو دیا تھا ازراہ کرم بتایئے آیا آپ نے یہ کہا تھا" انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور بہت سارے الفاظ میں کہا" ایف ایس ایف کو الگ رکھو"

نوٹ : گواہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اسے ایک نمایاں خصوصیت سمجھتا ہے پہلے اس سے یہ پوچھنا چاہیے اگر فاضل وکیل ایسا چاہیں کہ وہ آیا اسے ایسا سمجھتا ہے جو سوال پوچھا گیا ہے وہ اس مرحلے پر پیدا نہیں ہوتا۔

سوال :- کیا آپ اس کو ایک نمایاں خصوصیت سمجھتے ہیں کہ انہوں نے (وزیراعظم نے) بہت سارے الفاظ میں کہا : ایف ایس ایف کو الگ رکھو؟

جواب : یہ حقیقت کہ جب میں نے لاہور سے واپس آکر وزیراعظم کو بتایا کہ اس قتل میں جو گولی استعمال کی گئی ہے وہ ایف ایس ایف کے زیر استعمال ہے پھر یہ کہ مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ میں یہ پتا لگاؤں کہ جاڈو (JADO) ڈیفنس سیکرٹری اور بارا (BARA) میں ملتی ہے یا نہیں۔ مجھ سے یہ نہیں کہا گیا کہ ایف ایس ایف میں بھی اس کا پتہ لگاؤں یہ ساری علامات واضح کرتی ہیں کہ یہ ایف ایس ایف کو اس سے علیحدہ کرنے کے لئے ہی تھیں اگر میں نے زیر دفعہ ۱۶۴ ضابطہ فوجداری اپنے دیئے ہوئے بیان میں یہ الفاظ چھوڑ بھی دیئے ہوں تو اس سے زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے میں اس فروگذاشت کو کوئی نمایاں خصوصیت نہیں سمجھتا۔"

یہ شہادت کے اہم ترین حصوں میں سے ایک ہے جس کو سامع بنچ نے اپنے فیصلے میں اپیل گذار کے نام نہاد "بعد کے طرز عمل" میں ملحوظ رکھا ہے اور ایسی ہی شہادت کی بنیاد پر اسے مجرم قرار دیا ہے جو (بیان میں) ایک واضح اصلاح تھی اور جو گواہ کے سابقہ بیانات میں کہیں موجود نہیں تھے۔ اس معزز عدالت کی توجہ بنچ کے فیصلے کے پیراگراف ۴۹۹ کے اس تبصرے کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔

گواہ استغاثہ نمبر ۳ نے مزید کہا کہ ڈیفنس سیکرٹری کی مذکورہ بالا رپورٹ موصول ہونے پر وہ پیچیدگی میں پڑ گیا۔ کیونکہ اس میں مذکورہ تھا کہ وہ چینی ہتھیار فیڈرل سیکیورٹی فورس کے استعمال میں تھے جب کہ اُسے خاص ملزم کی جانب سے ایسی لازمی ہدایت مل چکی تھی۔ کہ فیڈرل سکیورٹی فورس کو اس سے علیحدہ رکھا جائے ......"

۲۲۔ اسی طرح سامع بنچ نے عام راستے سے ہٹ کر ان شہادتوں کو خارج کر دیا جو اپیل گذار کے حق میں جاتی تھیں اور جن سے مقدمہ استغاثہ کی جڑ پر ضرب لگتی تھی مثال کے طور پر خود سامع بنچ نے دستاویز ۳/۱۲/D Exh. PW ۳ کو استغاثہ کی طرف سے یہ کہنے کے بعد قبول کر لیا تھا کہ اس کی اصل نہیں ملتی۔ گواہ استغاثہ نمبر ۳ سعید احمد نے اس دستاویز کا مستند ہونا اور اپیل گذار کی طرف سے اس کی توشیق ثابت کر دی تھی۔ اس کے بعد بنچ نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ یہ دستاویز مقدمہ استغاثہ کو نقصان پہنچانے والی ہے اس نوٹ کا اضافہ کر دیا کہ یہ دستاویز استغاثہ کے اعتراض کے ساتھ قبول کی گئی لیکن اعتراض کی نوعیت نہیں بتائی گئی سامع بنچ فیصلے کے پیراگراف نمبر ۴۰۲ میں اس دستاویز کو مسترد کرتے ہوئے کہتی ہے:۔

فاضل سرکاری وکیل نے شہادت کی نقل D/۱۲/۳ Exh-PW کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کو تسلیم کرنے پر اعتراض کیا۔ اس دستاویز کو شہادت کے طور پر اس اعتراض کے ساتھ قبول کیا گیا تھا کہ اس وقت یہ کہا گیا تھا کہ اس کی اصل نہیں ملتی۔ اس اعتراض کو قبول کرنا چاہیئے اس لئے کہ ملزم خاص کی جانب سے اس کی اصل کی گمشدگی ثابت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی نہ ہی اس نے اصل کا مطالبہ کیا:

اس اعتراض کو کیونکہ برقرار رکھا جا سکتا تھا جبکہ سامع بنچ کے تبصرات اس دستاویز کو بطور شہادت قبول کرنے سے متعلق اس کے سابقہ حکم سے متصادم تھے۔ قانون شہادت کی دفعہ ۶۵ کے تقاضے پورے کئے جا چکے ہیں اور سامع بنچ نے ناروا غلط بیانی کی ہے کہ اپیل گذار نے دستاویز کی اصل طلب نہیں کی تھی اس معزز عدالت کی توجہ اپیل گذار کی درخواست مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء کی طرف جو متفرق درخواستوں کی جلد کے صفحات ۴۷-۴۶ پر موجود ہے اور اس درخواست پر سامع بنچ کے حکم مورخہ یکم نومبر ۱۹۷۷ء کی طرف صفحات ۲۲-۲۱ جلد متفرق احکامات) کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے جس سے سامع بنچ کے پیراگراف نمبر ۴۰۲ کے بیان کی تردید اور اس کی گہری جانبداری ظاہر ہو جاتی ہے۔

پھر فیصلے کے پیراگراف نمبر ۵۶۴ اور نمبر ۵۶۵ میں جو اس دستاویز سے متعلق ہے جس سے مقدمہ استغاثہ کم از کم مقصد نیز اپیل گذار کے بعد کے طرز عمل کی حد تک بالکل منہدم ہو جاتا ہے سامع بنچ نے کسی بنیاد کے بغیر تصدیق کو ایک جعل سازی قرار دے دیا ہے ہر صورت حال میں بشمول گواہ استغاثہ نمبر ۳ کے ساتھ اپیل گذار کے رویہ کے ذریعہ مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ جسے جعلی

قرار دیا گیا ہے سامع نے جو سبب بیان کیا ہے کہ اپیل گذار کی طرف سے اس دستاویز پر دو تصدیقات ہیں اور چونکہ ایک تصدیق میں کسی خاص شخص کو مخاطب نہیں کیا گیا ہے اور نہ کسی نے دیکھا ہے لہذا یہ جعلی ہے ناقابلِ مدافعت ہے۔

۲۳۔ سامع بنچ نے ایسی شہادت پر اعتبار کیا ہے جو اپیل گذار کے لئے نقصان دہ ہے اور جسے یہ خود ناقابل تسلیم قرار دے چکی تھی مثال کے طور پر گواہ استغاثہ نمبر ۳۶ نے اپنی شہادت کے خاص بیان میں خولوں کے بنیادی نشانات سے متعلق کہا (صفحہ ۶۵۹)

"میں نے ان ۲۴ خولوں کی بنیادیں دیکھی ہیں اور یہ معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے ۲۲ میں ایک پنچ کا نشان نشان ہے اور باقی دو میں ان ۲۲ سے مختلف جداگانہ نشان ہے ۲۲ خولوں کی بنیاد پر ۱۷/۶۶۱ کندہ ہے لیکن ایک ایسا شخص جس کی بصارت کمزور ہو۔ اور قریب سے نہ دیکھے اس نمبر کو ۱۷/ ای بی بھی پڑھ سکتا ہے۔

(یہ پچھلا جواب، شہادت کے ایک حصّے کے طور پر نہیں پڑھا جا سکتا کیونکہ اس کا تعلق گواہ کی خصوصیت سے نہیں ہے اُسے اس خاص نکتے کا ماہر نہیں مانا جا سکتا کہ اس بارے میں اس کی رائے قابلِ قبول ہو اس تبصرے کا فاضل وکیل کی اس بات سے قطعی کوئی تعلق نہیں کہ گواہ ہاتھ کی تحریروں کا ماہر ہے۔ ایسا ماہر شخص تحریریں پہچان سکتا ہے لیکن اسے لکھنے والے کی بصارت کے متعلق کوئی رائے نہیں دے سکتا"۔

سامع بنچ نے جب دیکھا کہ اس شہادت کو استغاثہ کے حق میں اور اپیل گذار کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے تو اُس نے اپنے فیصلے کے پیراگراف ۲۴۴ میں کہا؛

"لہذا موجودہ خولوں کی بنیاد پر لکھا ہوا نمبر، بآسانی پڑھنے کے قابل نہیں ہے اس کی تائید گواہ استغاثہ نمبر ۳۶ کی شہادت سے ہوتی ہے اس نے کہا کہ ۲۲ خولوں کی بنیادوں پر جو لکھا ہوا ہے وہ نمبر ۱۷/۶۶۱ ہے لیکن اس نمبر کو ایک ایسا شخص جس کی نظریں کمزور ہوں اور جو اسے قریب سے نہ دیکھے ۱۷/ ای بی بھی پڑھ سکتا ہے"۔

اس طرح جسے شہادت کے ریکارڈ کا حصّہ نہیں بننا چاہیئے تھا اسے بھی زیر غور لایا گیا اور ریکارڈ کا بہ آسانی ایک حصّہ بنایا گیا ہے اور اس بنیاد پر اپیل گذار کو مجرم قرار دیا گیا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جانبداری کے سبب سامع بنچ کی عادلانہ صلاحیت قطعی طور پر مفلوج ہو چکی تھی۔

(۲۴) کہ استغاثہ کی شہادت میں ایک خلاء تھا۔ جسے پُر کرنے میں وہ ناکام رہا۔ سامع بنچ نے شک کا فائدہ استغاثہ کو دیا۔ مثال کے طور پر گواہ استغاثہ نمبر ۳۱ غلام حسین وعدہ معاف گواہ نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ۱۲ر نومبر ۱۹۷۴ء کو دن کے ۱/۲ ۱ بجے راولپنڈی پہنچ کر اُس نے میاں محمد عباس سے رابطہ قائم کیا لیکن ریکارڈ پر جو شہادت موجود ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دن ۱/۲ ۱ بجے میاں محمد عباس پشاور میں تھے اور وہ اس دن شام کے وقت اسلام آباد اور اپنے گھر شام کے ۷ بجے پہنچے تھے مگر سامع بنچ اس کی شہادت کو مسترد کرنے کے بجائے اُسے شک کا فائدہ دیتے ہوئے فیصلے کے پیرا ۸، ۵ میں کہتی ہے؛

"انہوں نے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اس سے چار یا پانچ گھنٹے کے بعد ملاقات کی ہوگی"۔

کیا گواہ نے یہ کہا تھا کہ اُس نے میاں محمد عباس سے چار یا پانچ گھنٹے کے بعد ملاقات کی تھی؟ کیا گواہ نے یہ کہا تھا کہ اس نے کچھ دیر آرام کیا؟ گواہ نے واضح طور پر کہا کہ اس نے راولپنڈی پہنچنے کے بعد میاں محمد عباس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ پھر سامع بنچ چار یا پانچ گھنٹے آرام کرنے کا عنصر کہاں سے لے آئی کہ اس گواہ کے بیان یا مقدمہ استغاثہ پر اس قدر اہم نکتے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے؟

(۲۵) اسی طرح جب کہ استغاثہ کی شہادت میں نمایاں، تضاد موجود تھا جو اس کے مقدمہ کے حق میں مضر ہوتا۔ تو سامع بنچ نے مستقلاً شہادت کو مسخ کر کے اس کے بچاؤ کی مہم جاری رکھی۔ مثال کے طور پر گواہ استغاثہ ۳۱، وعدہ معاف گواہ غلام حسین نے سامع بنچ کے سامنے گواہی دیتے ہوتے یہ نہیں کہا تھا کہ وقوعہ کے وقت اس نے اپنے پستول سے گولی چلائی۔ اس نے یہ گواہی دی تھی کہ ارشد اقبال نے ہوائی فیر کی تھی اور رانا افتخار نے کار پر گولی چلائی تھی جب کہ وہ اس وقت ایک گلی میں اوپر نیچے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس نے اپنا پستول استعمال کرنے سے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ رانا افتخار اور ارشد اقبال نے البتہ اپنے اپنے اقراری بیان میں یہ کہا تھا کہ غلام حسین وعدہ معاف گواہ تھا جس نے اپنے پستول سے احمد رضا قصوری کی کار پر گولی چلائی تھی۔ جرح کے دوران جب وعدہ معاف گواہ غلام حسین سے پوچھا گیا کہ کیا اس نے کار پر اپنے پستول سے گولی چلائی تھی تو اس نے بڑی آسانی سے کہہ دیا کہ مجھے یاد نہیں۔ اسے یہ اچھی طرح یاد رہ گیا کہ ارشد اقبال اور رانا افتخار نے گولیاں چلائی تھیں لیکن اس کی اپنی فائرنگ کا معاملہ کچھ تفصیل طلب معاملہ ہو گیا اس لیے وہ اسے یاد نہ رکھ سکا۔ جرح کے دوران اس نے پہلے تو کہا کہ مجھے یاد نہیں لیکن جب اس پر دباؤ ڈالا گیا تو اس نے قطعیت میں کہہ دیا کہ اس نے اپنے پستول سے کوئی گولی نہیں چلائی تھی۔ اس نے صفحہ ۶۱۱ میں اپنی جرح کے دوران جو کہا وہ یہ ہے:

سوال: کیا آپ نے ۱۰/ اور ۱۱/ نومبر ۱۹۷۴ء کی درمیانی شب کو تقریباً ایک بجے اپنے پستول سے گولی چلائی تھی اور اس کے بعد مسٹر احمد رضا قصوری کی کار پر اسٹین گن سے گولیاں چلائی گئی تھیں؟

جواب: مجھے یاد نہیں کہ میں نے پستول سے گولی چلائی تھی یا نہیں۔

جس جگہ گولی چلی اس موڑ سے تقریباً ۳۰ گز کے فاصلے پر دائیں جانب ایک سڑک جاتی ہے اور میں اسی سڑک پر ٹہل رہا تھا۔ جہاں یہ دونوں سڑکیں ملتی ہیں میں اس جگہ سے تقریباً ۲۰ گز کے فاصلے پر تھا۔ اس عرصے کے دوران میں لیاقت اور رانا افتخار سے اور کچھ غلام مصطفیٰ سے اس منصوبے سے متعلق باتیں کرتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقوعہ کے وقت میرے پاس کوئی دستی بم نہیں تھا۔ کار جب میرے سامنے سے سڑک سے گزر رہی تھی تو میں نے گولی نہیں چلائی تھی جس وقت میں راستے پر ٹہل رہا تھا اس وقت میں نے اپنے پستول سے گولی نہیں چلائی تھی

(جاری ہے)

یونان میں جمہوریت کے قتل کی کہانی !

اندرے پاپاندریو کی زبانی

آخری قسط

"مستقبل کے آمروں کا مقابلہ کرنے کیلئے پہلے سے تیاری کرنا چاہئے تھی"

فوجی جنتا آگے بڑھ گئی ملک ۵۰ سال پیچھے چلا گیا

اصلاحات کی قیمت

یونان میں جو ناموافق حالات پیدا ہوئے ان کی طرف میں مڑ کر دیکھنے اور جمہوری کیمپ کی ذمہ داریوں کا جائزہ لینے پر مجبور ہوں۔ یقیناً ان میں میری اپنی ذمہ داریاں بھی شامل ہیں۔ وہ ذمہ داریاں اب بھی باقی ہیں اور جو لوگ پبلک زندگی میں شامل ہیں ان پہ لازم ہے کہ ان کا جائزہ لیں، برسرعام ان کا اعتراف کریں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ آئندہ ایسی غلطیوں کا اعادہ نہ ہو۔

ہماری پہلی ذمہ داری یہی ہے کہ ہمارے سامنے جو فرض موجود تھا اس کی عظمت کا صحیح طور پہ اندازہ نہ لگا سکے۔ نہ ہی ان دشواریوں کو سمجھا جن سے ۱۹۶۴ء میں زمام حکومت سنبھالنے کے بعد ہمیں نمٹنا تھا۔ ہم نے عوامی رائے کی بھاری اکثریت سے انتخابات جیتے تھے۔ ہمارا حلقۂ انتخاب ہم سے توقع رکھتا تھا کہ ہم مقدار و نوعیت دونوں لحاظ سے نئے پس منظر میں ثقافتی معاشرتی اور معاشی محاذ کھولیں گے۔ یونانی معیشت اوائل عشرۂ پچاس سے ہی معتدل انداز سے فروغ پا رہی تھی۔ ہم سب کو اس کا احساس تھا۔ تاہم یہ رفتار جتنی ہونی چاہیئے اتنی نہیں تھی۔ اسکی رفتار کو تیز تر اور اسکے پھیلاؤ میں اضافہ مطلوب بھی تھا اور ضروری بھی۔ پھر ہم یہ بھی جانتے تھے کہ معاشی ڈھانچہ اور اس کے پھل کی تقسیم یونانی عوام کی بڑی اکثریت کے لئے غیر تشفی بخش ہے، پھر بھی ڈھانچے میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لائی گئی۔ پسماندگی اور خوشحالی کی سرحدوں کا بعد برقرار رہا بلکہ غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتے گئے۔ تعلیم اور انتظامی اصلاحات کا حال بھی دگرگوں تھا۔ یونانی صنعت بنیادی طور پر غیر ملکی صنعت کی طفیلی ہو کر رہ گئی تھی اور غیر ملکی سرمایہ ان شعبوں میں

کام نہیں کر رہا تھا جن سے ملک کی صنعتوں کو فروغ ہوتا۔ ایسی حالت میں ایک طویل میعادی پروگرام بنانے کی شدت سے ضرورت تھی جس کے ذریعہ بنیادی صنعتی ترقی ممکن ہوتی۔ لیکن ہم ایسا کرنے میں کلی طور پر نہیں تو جزوی طور پر ناکام ضرور رہے۔

پارلیمانی جمہوری حکومت ہونے کے باعث ہم نے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی نتائج ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ ہماری نظر صرف چار سال کی مدت تک محدود رہی جس کے بعد ہمیں پھر عوام کے سامنے جانا تھا۔ اس کے علاوہ ہم نے بعض اہم اداروں مثلاً بینکاری ٹریڈ یونین ازم، زرعی امداد باہمی وغیرہ پر خصوصی توجہ دینے کے بجائے زیادہ زور نجی سرمایہ کاری پر دیا اور یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ محض زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ہی اقتصادی ڈھانچہ میں دور رس اور مفید تبدیلیوں کے لئے کافی نہیں بلکہ یونانی معیشت کو نجی اور سرکاری دونوں شعبوں میں کام کے نئے نئے مراکز قائم کرنے کی ضرورت تھی۔ مثلاً زراعت کے شعبے میں کوآپریٹیو کو خود کفیل یونٹوں میں تبدیل کرنے کی ضرورت تھی جن کے وسائل اور کارکردگی کے اختیارات وسیع ہوتے۔ اگر کوئی یونٹ ناکام رہتا تو زرعی کارپوریشن اسکی جگہ لیتی۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہوتا جس سے مسئلے کے حل میں ٹھوس مدد ملتی، یہ زرعی بندوبست میں ایک انقلاب برپا کر دیتا۔ پھر فارم اور شہر کے درمیان مسلسل رابطہ کی وجہ سے زرعی پیداوار کا کاروبار بھی جدید شکل اختیار کر لیتا۔

صنعتی نظام کی درستگی کے لئے انتظامی تربیت کے پروگرام کی توسیع کی جاتی۔ اس سلسلے میں غیر ممالک کے ماہرین کے مشورے حاصل کئے جاتے اس سے سرکاری شعبے کے صنعتی یونٹوں کی بدانتظامی دور کی جاتی اگر نجی شعبہ انہیں قبول نہ کرتے تو بھی سرکاری شعبے ایسے تربیت یافتہ لوگوں سے کافی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

ان اصلاحات کا ردعمل غیر ملکی سرمایہ کاروں پر یقیناً اچھا نہ پڑتا تاہم ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے تھا۔ وہ ایک ایسا ڈھانچہ چاہتے تھے جس کے اندر انہیں اطمینان و عافیت اور ہر طرح کے تحفظ کے ساتھ منافع حاصل کرنے کا موقعہ ملے اور ہم نے چونکہ کم سے کم مداخلت کی پالیسی اختیار کی اس لئے انہیں ایسا موقع مل گیا جبکہ ہمیں چاہیئے تھا کہ ہم یونان کی شکل بدلنے کے لئے اپنے طور پر اپنا لائحہ عمل تیار کرتے خواہ مفاد پرست اسے اپنے لئے زہر ہی کیوں نہ سمجھتے۔

عوامی خودمختاری کے بارے میں بھی کچھ ایسی ہی باتیں ہیں۔ شروع میں ہم غیر ملکی عناصر، شاہ، مسلح افواج اور متوازی حکومت کی طاقت کے مقابلے میں بہت ہی کمزور تھے۔ ہم یہ کہتے تو تھے کہ "بادشاہ صرف بادشاہت کرتا ہے اور عوام حکومت کرتے ہیں"

خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر، میموگراف مشینیں ہوتیں، روپوش لیڈروں کیلئے کرائے کے مکانات ہوتے

"فوج قوم کی ہے" "یونان یونانیوں کا ہے" وغیرہ لیکن یہ باتیں عمل سے زیادہ محض الفاظ پر مشتمل ہوتی تھیں۔ اسٹبلشمنٹ نے اسے ہماری کمزوری پر محمول کیا اور یہ سمجھا کہ ہم محاذ آرائی سے گریز کرتے ہیں چنانچہ جب محاذ آرائی کا وقت آیا تو ہم اس اہمیت سے محروم ہو چکے تھے۔ جو انتخابی کامیابی کی بدولت ہمیں حاصل ہوئی تھی۔ دوسری غیر مفتوحہ جنگ کے وقت ہمارے نعرے بالکل واضح تھے لیکن اب ہم برسر اقتدار نہیں رہے تھے۔ پھر جب ۲۸ مئی کے انتخابات قریب آگئے اور ہمارے پلیٹ فارم نے ایک قطعی شکل اختیار کر لی تو فوجی جنتا آگے بڑھ گئی اور اس طرح ملک پچاس سال پیچھے چلا گیا۔

یونانی عوام کا یہ کہنا صحیح ہے کہ جمہوری کیمپ کی قیادت بخوبی جانتی تھی کہ ایک فوجی انقلاب ناگزیر ہے لہٰذا چاہیئے تھا کہ یہ مستقبل کے آمروں کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے ہی سے تیاری کرتی۔ ٹریڈ یونین تحریک کے ذریعہ زیادہ کچھ کیا جانا ممکن نہیں تھا کیونکہ سابقہ پالنز حکومتوں نے اپنے لوگوں کے ذریعے پہلے ہی سے اسے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔ ہم نے دراصل خفیہ مزاحمتی تنظیموں پر زور نہیں دیا تھا۔ ملک بھر میں ایسی تنظیموں کا جال نہیں پھیلایا تھا۔ اگر ہم نے ایسا کیا ہوتا اور یہ ہدایات دی ہوتیں کہ فوجی انقلاب کی صورت میں کیا لائحہ عمل ہونا چاہیئے، کس طرح کام کرنا چاہیئے، اگر خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر اور میموگراف مشینیں مہیا کی ہوتیں اور ملک بھر میں ایسے اپارٹمنٹ کرائے پر لے رکھے ہوتے جہاں روپوش لیڈروں کو ٹھکانا مل جاتا تو شاید چند گھنٹوں کے اندر ہی فوجی بغاوت پر ہم نے قابو پا لیا ہوتا۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے کچھ ڈیموکریٹک لیگیں منظم کر کے ان کے ذمہ اس قسم کا کام لگایا تھا پھر بھی مجھے صاف طور پر اعتراف کرنا چاہیئے کہ میں نے یا مجھ سے قریبی تعلق رکھنے والے حلقے نے مستعدی کے ساتھ اس طرف اپنی توانائی صرف نہیں کی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جذباتی طور پر ہم میں سے کسی نے بھی اس فوجی بغاوت کو قبول نہیں کیا تھا حالانکہ اس کی ساری علامات ظاہر تھیں۔

اکثر یہ کہا جاتا ہے، خاص طور پر میرے متعلق کہ اسٹبلشمنٹ کو چھیڑنے کی ذمہ داری مجھ پر ہے، میں نے ہی اسے اشتعال دلا کر بحران پیدا کرایا۔ اگر میں کھلم کھلا اصلاحات نافذ کرنے کا ارادہ ظاہر نہ کرتا، اگر میں ملک میں بنیادی تبدیلیاں لانے کا اعلان نہ کرتا، اگر میں تصورات کو ڈنکے کی چوٹ عمل میں لانے کا اظہار نہ کرتا تو فوجی انقلاب برپا نہ ہوتا، ممکن ہے یہ صحیح ہو۔ اگر میں کھل کر اپنے عزائم کا اعلان نہ کرتا تو شاید فوجی انقلاب برپا نہ ہوتا۔ واقعتہً اسے مانتے ہوئے بھی میں اس اصول کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ محض فوجی بغاوت کے خوف سے ملک میں اصلاحات نافذ کرنے کا نام بھی نہ لیا جائے۔ ترقی اور تبدیلی کی تمام

امنگوں کو محض اس لئے دباتے رکھا جاتے کہ کچھ فوجی اس سے آگاہ ہو کر زمام اقتدار پر بالجبر قابض ہو جائیں گے۔ اور پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ خاموش رہنے پر بھی اقتدار پرستوں کی ہوس انہیں اس بات پر مائل نہ کرتی کہ وہ موقعہ پا کر زمام اقتدار سنبھال لیں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یونان کے اندر تبدیلی کی ضرورت تھی۔ یونان میں جو حالات برپا تھے انہیں باقی نہیں رہنا چاہیئے تھا۔ انہیں بدلنے کی ضرورت تھی۔ ایسی تبدیلی لانے کی ایک صورت وہ تھی جو ہم چاہتے تھے۔ وہ صورت پرامن تھی، اس میں کسی کا خون نہ بہتا، کسی پر جبر و تشدد نہیں کیا جاتا۔ یہ تبدیلی خوش اسلوبی کے ساتھ مرحلہ وار ہوتی اور ملک آگے بڑھتا۔

دوسری صورت وہ تھی جو فوجی جنتا نے اختیار کی۔ جس میں وہ سب کچھ ہوا جو نہیں ہونا چاہیئے تھا اور پھر اس کے نتیجے میں ملک ترقی کی طرف نہ بڑھ سکا۔ بلکہ اور پیچھے ہو گیا۔ جو لوگ اسٹیبلشمنٹ کو ناراض نہ کرنے والی پالیسی کی حمایت کرتے ہیں وہ رجعت پسندی کی نوعیت کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ طاقت استعمال کئے بغیر عام خوشنودی کے ذریعہ جو تبدیلی لائی جاتی ہے وہی حقیقی اور دیرپا تبدیلی ہوتی ہے۔

مستقبل پر ایک نظر

مستقبل سے متعلق کوئی پیشن گوئی کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے کہ یونان کو کب دوبارہ جمہوریت نصیب ہو گی۔ جمہوری اداروں کی جد و جہد کے کیا نتائج نکلیں گے ان عناصر کا جائزہ لینا ہو گا جو فی الحال برسر عمل ہیں پھر یونان کا مسئلہ ایسا نہیں کہ اسے یورپ کے واقعات سے الگ تھلگ کر کے دیکھا جائے اسے یورپ کے اندر رونما ہونے والے واقعات کے پس منظر میں دیکھنا ہو گا۔ اور تمام کوائف کو مدنظر رکھنا ہو گا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے دو بڑی طاقتوں کی کشمکش سامنے آتی ہے۔ ان کے درمیان ایک پرامن بقائے باہمی کا سمجھوتہ ہو چکا ہے جس کے تحت طے ہو چکا ہے کہ کوئی کسی کی حد اختیار کے علاقے میں مداخلت نہیں کرے گا۔ بہ الفاظ دیگر دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے اپنے علاقے میں "پولیس ایکشن" کے حق کو تسلیم کر لیا ہے دو بڑی طاقتوں کے درمیان کے اس معاہدے کا یونان اور دوسرے ملکوں کی جد و جہد آزادی پر مثبت اور منفی دونوں قسم کے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ تیسری دُنیا کے اندر بھی ایک جد و جہد جاری ہے تیسری دُنیا کے ممالک دونوں بڑی طاقتوں کے اثر سے زیادہ سے زیادہ آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ وہ دونوں میں سے کسی کے بھی مطیع رہنا نہیں چاہتے۔ وہ اب اقتصادی زبوں حالی کا شکار رہنا نہیں چاہتے بلکہ دُنیا کی خوشحالی میں اپنا جائز حصّہ چاہتے ہیں۔ وہ بھی اپنے آپ کو ہر لحاظ سے مضبوط و مستحکم دیکھنا چاہتے ہیں۔ یونان بھی اسی تیسری دنیا سے تعلق رکھتا ہے اس لئے تیسری دنیا اور بڑی طاقتوں کے درمیان جو کشمکش ہے۔ اس کے اثرات سے یونان بھی بچ نہیں سکتا۔

تیسری کشمکش خود امریکہ اور مغربی یورپ کے درمیان چل رہی ہے۔ امریکہ مغربی یورپ میں اپنے اثرات کی توسیع اور استحکام چاہتا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ مغربی یورپ ہر حال میں اس کا حامی رہے جب کہ مغربی یورپین ملکوں کے درمیان اب یہ رجحان بڑھ رہا ہے کہ ہم اپنی انفرادیت نہیں کھو سکتے بلکہ ہمیں بھی عالمی سیاست میں اپنا آزادانہ کردار ادا کرنا ہے یہ صرف ایک سیاسی عمل ہی نہیں بلکہ اقتصادی عمل بھی ہے یورپ کے اندر پیدا ہونے والے اس رجحان کا اثر صرف مغربی یورپ تک ہی محدود نہیں بلکہ مشرقی یورپ بھی اس سے متاثر ہو رہا ہے گویا یورپ بلاک بندیوں کے اثر سے آزاد ہو کر اب پھر جغرافیائی وحدت کی طرف بڑھ رہا ہے اب یورپ میں یہ خیال زور پکڑ رہا ہے کہ یورپ متحد ہو کر ہی دُنیا کی دونوں بڑی طاقتوں سے اپنی اہمیت تسلیم کرا سکتا ہے یونان بھی اسی یورپ کا ایک حصّہ ہے لہٰذا یہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک اور قابلِ ذکر عنصر یہ ہے کہ دُنیا بھر میں

افسر شاہی کے خلاف عوام کے جذبات ابھر رہے ہیں عوام کے اندر اس بنا پر اشتعال پیدا ہو رہا ہے کہ افسر شاہی ان پر مسلط ہو کر تمام سیاسی، اقتصادی، سماجی تہذیبی اور دوسرے مفادات حاصل کرتی ہے جب کہ ان تمام مفادات کو جنم دینے والے عوام اُن سے محروم رہتے ہیں۔ گویا افسر شاہی کے خلاف یونان میں جو جذبات پائے جاتے ہیں۔ وہ تنہا یونان ہی میں نہیں بلکہ ساری دُنیا میں پائے جاتے ہیں اس طرح دنیا کے دوسرے ملکوں میں افسر شاہی کے اثرات جس قدر جلد مٹیں گے یونان بھی اسی قدر جلد ان سے نجات حاصل کر سکے گا۔ یونان کے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو مستقبل کے یونان کے لئے کئی امکانات نظر آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یونان میں ابھی کچھ زمانے تک فوجی حکومت ہی مسلط رہے امریکہ اس کی سرپرستی کرتا رہے اور روس اس سے لاتعلق رہے۔ مغربی یورپ بھی کوئی خاص توجہ نہ دے۔

دوسرا امکان یہ ہے کہ فوجی حکومت کا تختہ اُلٹ جائے اور یونان از سرِ نو جمہوریت کی راہ پہ گامزن ہو جائے اس صورت میں امریکہ کے ساتھ اس کی پالیسی میں بہت بڑی تبدیلی آ سکتی ہے بلکہ نئی یونانی حکومت امریکہ کے خلاف معاندانہ پالیسی اختیار کر سکتی ہے۔

تیسرا امکان یہ بھی ہے کہ خود امریکہ کے زیر اثر ایک اور انقلاب برپا ہو۔ اس صورت میں فوجی جنتا کو مجبور کیا جائے گا۔ کہ وہ ڈکٹیٹر شپ کے بجائے جمہوریت کا عمل اختیار کرے اور اسی لبادے میں ملک کے اندر روس نواز عناصر کو کچل ڈالے۔

چوتھا امکان اس کا بھی ہے کہ یونان ویت نام بن جائے

پانچواں انقلاب ناصر ٹائپ کا انقلاب بھی ہو سکتا ہے۔

اور چھٹا امکان اس کا ہے کہ خود ملک کے اندر کی جمہوری طاقتیں اس قدر زور پکڑ لیں کہ وہی ملک کا نظم و نسق سنبھال لیں۔ یہ بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن عالم کی حمایت حاصل ہو تو کچھ مشکل نہیں۔

یہ امید بعید از قیاس نہیں یہ پوری ہو سکتی ہے مگر اس کے لئے ملک کے جمہوریت پسندوں کو ملک کے اندر اور باہر کام کرنا ہو گا۔ یہ کام مثبت اور موافق فضا میں ساری دنیا بالخصوص مغربی یورپ میں کرنا ہو گا۔ دُنیا کے ضمیر کو جھنجھوڑنا ہو گا۔ عالمی رائے عامہ پہلے ہی سے یونان کے جمہوریت پسندوں کے ساتھ ہے۔ اگر اس لائن پر کام کیا گیا تو دُنیا کی فعال حمایت حاصل کرنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئے گی۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ تمام یونانی متحد ہو کر جدوجہد کریں۔

جارج پاپا منڈریو کا اعلان

۲۱؍اپریل ۱۹۶۸ء کو جب کہ یونان کی فوجی حکومت کے قیام کی پہلی سالگرہ منائی گئی تھی جارج پاپا نڈریو نے ایک اعلان جاری کیا تھا جس کے نتیجے میں انہیں گرفتار بھی ہونا پڑا تھا۔ اس اعلان میں انھوں نے کہا تھا۔

اس سال اتفاق سے ہمارے آقا (حضرت مسیحؑ) کی تاریخ رستخیز وہی ہے جو ہمارے عوام کے مصلوب ہونے کی تاریخ ہے ایک سال پہلے ۲۱؍اپریل ۱۹۶۷ء کو ایک فوجی بغاوت نے یونان کی آزادی غارت کر دی تھی۔ اس نے پریس کی آزادی غارت کر دی۔ اب نہ صرف یہ کہ اخبارات سنسر کئے جاتے ہیں۔ بلکہ فی الحقیقت اب ان کے لکھنے والے بھی اسی جنتا کے آدمی ہیں۔ تمام اخباروں کے مضامین ایک جیسے ہوتے ہیں صرف سرخیوں کے الفاظ کا فرق ہوتا ہے

اس نے تقریر کی آزادی تباہ کر دی۔ اب حکومت کے خلاف نکتہ چینی کا ایک لفظ بھی منہ سے نکالنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اُسے فی الفور فوجی ٹربیونل میں مقدمہ کے لئے پیش کر دیا جاتا ہے اور یہ ٹربیونل لمبی لمبی مدت کی سزائے قید دے دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں شہریوں کو جنہوں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ گرفتار کر کے دور دراز کے جزائر میں پولیس کے زبردست پہرے کی معیت میں جلاوطن کر دیا گیا۔

اس نے اجتماع کی آزادی سلب کر لی ہے۔ چند لوگوں کو یکجا ہو جانا بھی جرم قرار دے دیا گیا ہے جو فوجی ٹربیونل کے ذریعہ قابلِ سزا ہے۔

جنتا کہتی ہے کہ اس نے یونان میں امن قائم کر دیا ہے لیکن یہ امن و امان نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ شے ہے جو فوجی ٹربیونلوں کے ذریعہ چلنے والی آمرانہ حکومتوں کی خصوصیت ہوتی ہے۔

"کو دیتا" کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے فوجی جنتا نے یہ کہانی گھڑلی تھی۔ کہ ۲۸؍مئی ۱۹۶۷ء کے درمیان ایک کمیونسٹ انقلاب برپا ہونے والا تھا۔ جس سے بچنے کے لئے ایک فوجی انقلاب ناگزیر تھا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ قوم کو نجات سب سے مقدم قانون ہے اور پھر انہوں نے فی الفور اپنے آپ کو قوم کا نجات دہندہ قرار دے دیا۔

قوم کی نجات واقعی سب سے مقدم قانون ہے یہ وہ قانون ہے کہ جب قوم خطرے میں ہو۔ اس وقت زبردست ردِّ عمل کا متقاضی ہوتا ہے لیکن اس موقع پر فی الحقیقت ایسا کوئی خطرہ موجود نہیں تھا۔ یہ عام طور پر سب جانتے ہیں کہ اگر ۲۸؍مئی کو انتخابات ہوتے تو سنٹر یونین عظیم اکثریت سے کامیابی حاصل کرتی۔ لہذا کمیونسٹ انقلاب کی ایک من گھڑت کہانی تیار کی گئی۔ تاکہ سنٹر یونین وہ عظیم کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

جنتا نے مملکت پر قابض ہونے کے لئے کمیونسٹ انقلاب کا جھوٹ گھڑا اور اب یہ برسرِ اقتدار رہنے کے لئے جھوٹ گھڑ رہی ہے۔ اس نے "جمہوری کی طرف واپسی" کے لئے نئے دستور پر رائے شماری کرانے کا وعدہ کیا ہے اس رائے شماری کی تاریخ یکم ستمبر مقرر کی گئی ہے لیکن وہ نیا دستور ہے کیا یہ اب تک کوئی بھی نہیں جان سکا ہے ایک آمرانہ حکومت ایک آمرانہ دستور تیار کر رہی ہے۔ جس کی دفعات کا مسودہ روزانہ شائع ہوتا ہے اور لوگوں سے رائے دینے کو کہا جاتا ہے۔ دستور کو مکمل طور پر ختم کرنے کا بعد اس کی تلافی کے طور پر جنتا لوگوں کو ایک اور دستور مطالعہ کے لئے پیش کر رہی ہے۔ پھر یونان کے عوام یہ بھی جانتے ہیں کہ اس دستور کی مخالفت کرنے والوں سے متعلق اطلاع حاصل کرنے کے بعد جنتا ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گی۔ جبر کے ساتھ ساتھ جنتا عوام کی تحقیر بھی کر رہی ہے ان سے رائے شماری میں ووٹ دینے کے لئے جانے کو کہتی ہے جب کہ نتیجہ پہلے ہی سے معلوم ہے۔ اسی کا نام قوم کا آزادانہ اظہار رائے رکھ دیا گیا ہے

میں خود مسلح افواج سے خطاب کر رہا ہوں۔ قومی تحفظ کے سلسلے میں ان کے جذبات کیا ہیں۔ یہ میں سمجھتا ہوں۔ اس کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کمیونسٹ

باقی صفحہ ۵۴ پر

فتنۂ مودودیت

جماعت اسلامی کا واحد مقصد پاکستان کو ختم کرنا ہے

اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کیخلاف انھوں نے نئے فتنوں کو جنم دیا

قیام پاکستان کے وقت مولانا مودودی نے اس عظیم جدوجہد کو جس طرح نقصان پہنچایا وہ تاریخ کا حصہ ہے اور پھر قیام پاکستان کے بعد چولے بدل کر جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب نے دیگر خود پرست سادہ لوح علمار کرام کو اسلامی نظام اور نظام مصطفیٰ وغیرہ کے دل خوش کن دکھاوے کے نعروں کی آڑ میں شریک کار بناکر پاکستان مخالفت کے اپنے دیرینہ مقصد کو پورا کرنے کی منظم کوششیں جاری رکھیں اور قیام پاکستان سے لیکر آج تک جماعت اسلامی نے پاکستان کی ہر حکومت کی مخالفت کی اور ہر مشکل و نازک وقت میں ملک کی سالمیت کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی بھرپور کوششیں کرتی رہی۔ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کے نام پر ہر وہ کام کرنا جس سے پاکستان کو نقصان پہنچے اور فرقہ واریت کا اپنا مقصد پورا ہوسکے اس جماعت کا طرز عمل رہا۔ اس کا اظہار دیگر بہت ساری باتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل حقائق سے بخوبی ہوتا ہے۔

۱۔ جماعت اسلامی اور اس کے بانی مودودی صاحب نے ماضی میں قائداعظم کے خلاف محاذ بناکر قیام پاکستان کی جان توڑ مخالفت کی تھی قائداعظم کو کافر اعظم اور پاکستان کو کفرستان اور غیر اسلامی کہا تھا۔

۲۔ جماعت اسلامی قیام پاکستان کے وقت ہندوؤں کی تائید میں کشمیر کے جہاد کو غیر اسلامی کہہ کر اس کی مخالفت کی اور اس جہاد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کو غیر شہید حرام موت مرنے والے قرار دیکر ان مسلمان شہدار کی توہین کی اور کشمیر کی فتح کو آج تک مکمل ہونے نہیں دیا جس کی وجہ سے کشمیر کا بڑا حصہ ہندوستان کے قبضے میں ہے اور وہاں کے ہزاروں بے گناہ مسلمان ہندوؤں کے ظلم کے شکار اور محکوم زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ جماعت اسلامی کا ہی زریں کارنامہ ہے۔

۳۔ جماعت اسلامی نے نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم قائداعظم کے قابل فخر دست راست کی حکومت کو جو قیام و استحکام پاکستان کے کٹھن دور سے گذر رہی تھی اس کو اس نازک وقت میں غیر اسلامی اور نواب صاحب اور انکی بیگم صاحبہ کے بارے میں دورۂ امریکہ کے سلسلے میں غلط اور جھوٹے بہتان لگاکر عوام میں ان کے خلاف ایک انتہائی نازک وقت میں نفرت پیدا کرنے کی مسموم کوشش کی اور سازش کے ذریعے انکو گولی کا نشانہ بنوایا، تاکہ اس ناقابل تلافی نقصان کے باعث پاکستان ختم ہوجائے پاکستان ختم تو نہیں ہوسکا لیکن اس وقت سے آج تک پاکستان سنبھل نہیں سکا۔ جھکولے کھا رہا ہے۔

۴۔ جماعت اسلامی کے رہنما، نواب زادہ لیاقت علی خان شہید کی مشکلات میں گھری ہوئی حکومت سے لیکر آج تک کی ہر حکومت کی مخالفت کرکے مشکلات پیدا کر کے عوام میں بے اطمینانی پھیلاکر جمہوریت اور پاکستان کو نقصان پہنچانے کی مسلسل کوششیں میں لگے ہیں۔

پاکستان دشمنی اور اپنے پوشیدہ مقصد فرقہ مودودیت کے اجراء کی خاطر پاکستان دشمن لادینی جماعتوں سے گٹھ جوڑ کر کے انہوں نے ملک کی آزادی کو نقصان پہنچانے کے لئے مشرقی پاکستان میں نفرت کا بیج بویا اور البدر اور الشمس کے ذریعے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیل کر مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

اس کے علاوہ جب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ٹوٹے پھوٹے پاکستان کو نئے سرے سے مستحکم بنانے میں جو اندرونی و بیرونی سازشوں کے باعث مایوسی اور مالی و دیگر گھمبیر مشکلات درپیش تھیں ان میں مزید اضافہ کیا گیا۔ پاکستان کو مکمل طور پر ختم کرنے کے ناپاک مقصد سے اس نازک وقت میں دیگر سادہ لوح خود پرست علماء کرام اور دیگر لادینی جماعتوں کے گٹھ جوڑ سے بھٹو صاحب کی استحکام پاکستان کی کوششوں کو ناکام بنانے اور ملک میں انتشار پیدا کرنے کی غرض سے بے معنی لسانی جھگڑے کھڑے کئے گئے۔ ایک طرف تو مشرقی پاکستان سے بہاری بھائیوں کی فوری واپسی کے علاوہ بھارت

وہ پاکستان کے استحکام کی کوشش کرنیوالے ہر شخص کے دشمن ہیں

سے ۹۰ ہزار جنگی قیدیوں اور کئی ہزار مربع میل علاقہ کی بھارت سے واپسی کے مطالبات کو بنیاد بنا کر فساد کھڑا کرنے کی کوشش کی دوسری طرف جب بھٹو صاحب ان مسائل کے حل کی خاطر شملہ کانفرنس کے لئے بھارت تشریف لے گئے تو انکے خلاف کشمیر کا سودا کرنے کے بے بنیاد جھوٹے اور لغو الزامات لگا کر بھٹو صاحب کے خلاف نفرت پیدا کر کے انکی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی اور اس کے فوراً بعد نوے سالہ قدیم قادیانیوں کا مسئلہ سلسلہ ختم نبوت تحریک کی شکل میں کھڑا کر کے ملک میں فرقہ واریت کی فضا پیدا کر کے انتشار پیدا کیا تا ملک میں فرقہ واریت کی ہوا چل پڑے اور جماعت اسلامی جو بھارت اور پاکستان میں دو دھڑوں میں قادیانیوں کی طرح تقسیم ہے ایک ہو جائے اور مولانا مودودی اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر ۷۳ ویں فرقہ مودودیت کے رسول بن بیٹھیں جس کی پیشین گوئی قائد اعظم کے رفیق کار نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے چالیس ۴۵ سال قبل مولانا مودودی صاحب کے متعلق کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ بھٹو صاحب اس صدی کے بہت اور قابل سیاست دان اور مردم شناس شخصیت ہیں لیکن اسلام کی خدمت کے شوق میں وہ گر بہ کہن مولانا مودودی اور انکی جماعت کے پوشیدہ اور ناپاک عزائم سمجھنے سے قاصر رہے یہ بھٹو صاحب کی سادہ لوحی اور اسلامی لگن تھی کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ نام نہاد اسلام پسند قائدین اور عیار جماعت اسلامی کے فرستوں کا مقصد حقیقت میں اسلامی نظام یا نظام مصطفےٰ اور اس مملکت کو حقیقی معنوں میں اسلامی مملکت بنانا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس انکا مقصد محض بھٹو صاحب کو مذہبی فرقہ واریت کی الجھنوں کے جال میں پھنسا کر ملک میں فرقہ واریت کی فضا پیدا کر کے فرقہ مودودیہ کو جنم دینا تھا۔

اسلام کے نام پر سفاکانہ کارنامے انجام دینے کے بعد بھٹو حکومت کے ختم ہونے پر اسلامی تحریک نظام مصطفےٰ کے چلانے والے افراتفری کا شکار ہو کر اب صرف کرسی کے خواب دیکھ رہے ہیں لیکن ان بیوقوفوں کی توجہ جماعت اسلامی کے بانی کی طرف نہیں ہے جو بڑی خوبصورتی کے ساتھ وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نبوت کا سلسلہ پھر سے شروع کر دینا چاہتے ہیں۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان کی حیثیت سے میاں طفیل محمد صاحب کی دستار بندی کے موقع پر انہیں نائب رسول کہہ کر بحیثیت بانیٔ جماعت ان کی وہ دیرینہ خواہش پوری کی گئی جس کا مقصد مودودی کی نبوت کا اظہار کر کے اسلام میں ۷۳ ویں فرقہ مودودیہ کو جنم دینا ہے جس کی پیشین گوئی نواب بہادر یار جنگ مرحوم رفیق خاص قائد اعظم نے کی تھی۔ مودودی صاحب کے نائب رسول نے اپنے نبی مودودی سے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنے ایک اخباری بیان میں یہ کہہ کر خدا کی خدائی میں اپنی جماعت کو شریک کر لیا کہ اس اسلامی تحریک (جو بھٹو صاحب کو اقتدار سے ہٹانے کی درندہ صفت تحریک تھی) کی کامیابی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ انکی جماعت کا بھی حصہ رہا ہے وغیرہ وغیرہ یہ ایک نازک مذہبی مسئلہ ہے اس لئے ہم اس مسئلہ کو علماء کرام مفتی محمود صاحب اور شاہ احمد نورانی صاحب پر چھوڑتے ہیں جو نظام مصطفیٰ اور ختم نبوت کے بہت بڑے حمیین ہیں اور جماعت اسلامی کی تحریک کے شریک کار بھی رہے ہیں لیکن اب جماعت اسلامی کے ہاتھوں راندہ درگاہ ہیں۔ معلوم نہیں وہ امیر جماعت اسلامی کے نائب رسول اور مودودی صاحب بانیٔ جماعت کے رسول ہونے کے دعوے کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں اور اگر تسلیم کرتے ہیں تو پھر خود اپنا کیا مقام تعین فرماتے ہیں۔

∞

دورہ انگلستان میں پاکستان کی پہلے ٹسٹ میچ میں اننگز اور ۵۷ رنز سے شکست پر مقامی حلقوں میں بڑے زبردست ردعمل کا اظہار ہوا ہے۔

کپتان وسیم باری اور منیجر محمود حسین اس شکست کا کچھ بھی جواز پیش کریں لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ پاکستانی کھلاڑی بے حد خراب کھیلے۔ ناتجربہ کار اور خام قیادت میں جب ٹیمیں کھیلتی ہیں تو ایسی ہی عبرتناک شکست ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ کھیل کے ماہرین اور شائقین کی متفقہ رائے ہے کہ وسیم باری ان گرانبار ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے اہل نہیں جو فی الوقت انہیں سونپی گئی ہیں، ٹیم کے سلیکٹر اور منیجر محمود حسین کی متنازعہ شخصیت بھی پہلے ٹسٹ میں شکست کے چند اسباب میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ سلیکشن کمیٹی کے دو اور ممبران کی انگلستان میں مستقل موجودگی بھی ٹیم کے کپتان اور کھلاڑیوں کے لئے پریشانی کا باعث ہے۔ یہ سلیکٹر حضرات پویلین میں بیٹھ کر کھیل کی حکمت عملی اور اس میں تبدیلیوں کے بارے میں ہدایات جاری کرتے رہے۔ وسیم باری اگر ایک مضبوط کپتان ہوتے اور انہیں اپنی قائدانہ صلاحیتوں پر اعتماد ہوتا تو وہ ان مشوروں کی پرواہ نہ کرتے اور اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق کھیل کے تقاضوں پر پورا اترنے کی کوشش کرتے تو ممکن تھا کہ پاکستان کو

۳تا۱۰ ارجون ۱۰تا۱۷ ارجون ۱۹۷۸ء

پاکستانی ٹیم

بادلوں کی وجہ سے ہار گئی

وسیم باری کا انکشاف

محسن خان

صادق محمد

امپائروں کو بُرا بھلا کہنا پاکستانی کھلاڑیوں کی روایت بن گیا ہے

قطع نظر اس کے کہ وسیم باری اور محمود حسین متواتر امپائرز کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے جس کے باعث

اننگز سے شکست نہ ہوتی - اب وسیم باری کہتے ہیں کہ ناتجربہ کار بیٹسمینوں کے باعث ٹیم ہار گئی، کھیل کے دوران بادل آجاتے تھے جس سے پاکستانیوں کی بیٹنگ متاثر ہوتی تھی، انگلستان میں کھیل کے حالات مختلف ہیں.. امپائرنگ خراب تھی، سرفراز نواز جسمانی طور پر فٹ نہ تھے وغیرہ وغیرہ ناتجربہ کار بیٹسمینوں کی بات تو کسی حد تک سمجھ میں آتی ہے لیکن جہاں تک بادلوں کا تعلق ہے اس کے بارے میں اب کیا کہیں کہ اب تک تو بادلوں کو دیکھ کر شاعروں کو زلف یاد آتی تھی، موصوف کو اس میں شکست تیرتی نظر آتی ہے۔

سرفراز نواز ابتدا سے ناقابل اعتبار رہے ہیں ان کے جب جی میں آتا ہے کھیلتے ہیں اور جب طبیعت نہیں چاہتی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جاتے ہیں حالیہ ٹسٹ میں بھی انہوں نے یہی کیا جب دیکھا کہ ان کی باؤلنگ ناکام ہو رہی ہے تو بخار چڑھ جانے کا بہانہ بنالیا - اب اگر وسیم باری یہ کہتے ہیں کہ سرفراز نواز فٹ نہیں تھے تو پھر انہیں کھلانا ایک بڑی حماقت تھی۔

کھیل کے دوران اور شکست کے بعد امپائرز کو برا بھلا کہنا پاکستانیوں کی روایت بن چکی ہے۔ وسیم باری اگر امپائرز کو جانب دار قرار دیتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں کہتے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کی ہرزہ سرائیوں سے نہ صرف ملک و قوم کی بدنامی ہوتی ہے بلکہ میچ دیکھنے کے لئے آنے والے تماشائیوں کی تعداد پر بھی اس کا بڑا خراب اثر پڑتا ہے۔ برمنگھم ٹسٹ کے چوتھے دن صرف ایک ہزار تماشائی میدان میں موجود تھے۔ پورے میچ میں کسی بھی دن ۸ ہزار سے زائد لوگ موجود نہ تھے جبکہ کراچی کے چھوٹے موٹے میچ میں عام طور پر دو تین ہزار افراد آجاتے ہیں۔

تماشائیوں کی اس میچ میں دلچسپی کم ہوگئی ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ انگلستان کے شائقین اپنا پیسہ صرف اچھے کھیل اور اچھے کھلاڑی پر صرف کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں پاکستان کے غیر معروف کھلاڑیوں اور ان اسپورٹنگ کپتان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اگر اسی ٹسٹ میں مشتاق محمد، ظہیر عباس، عمران خان اور ماجد خان کھیل رہے ہوتے تو اسٹیڈیم تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہوتا۔ انگلستان سے آمدہ اطلاعات کے مطابق برمنگھم میں رہنے والے پاکستانیوں نے ٹسٹ کے دوران مظاہرہ کیا اور مطالبہ کیا کہ پیکر سیریز کے کھلاڑیوں عمران، ظہیر عباس، ماجد اور مشتاق کو کھلایا جائے۔ ایک طرف تو یہ صورت حال ہے کہ پوری پاکستانی ٹیم مل کر بمشکل ۱۶۴ رنز بناتی ہے اور دوسری جانب کاؤنٹی میچ کو کھیلتے ہوئے ظہیر عباس تن تنہا دو سو تیرہ رنز بناتے ہیں۔ عمران بھی ان کے پیچھے نہیں رہے اور ایک حالیہ میچ میں انہوں نے بھی ۱۶۴ رنز بنائے ماجد خاں کے بارے میں برطانیہ کے ماہرین کرکٹ کی رائے ہے کہ اس وقت ان سے بہتر بیٹسمین دنیا بھر میں نہیں۔ کیا یہ زیادتی نہیں کہ تیسرے درجے کے کھلاڑی تو پاکستانی ٹیم میں کھیل رہے ہوں اور اعلیٰ ترین کھلاڑی تماشائیوں کی صف میں شامل ہونے پر مجبور کر دیے جائیں۔

انگلستان میں کھیل کے حالات مختلف ہیں اور ہمارے بیٹسمین ناتجربہ کار ہیں تو پھر ایسے کھلاڑیوں کو ٹیم میں شامل کرنے کا جواز کیا ہے؟ کھیل کے حالات تو ہر ملک میں مختلف ہوتے ہی ہیں۔ اسی لیے ٹیموں کو ٹسٹ کھیلنے سے ایک سے دو مہینے پہلے دورہ پر بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ اس ملک کی کنڈیشنز سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کر سکیں۔ پاکستانی ٹیم ڈیڑھ ماہ سے انگلینڈ میں موجود ہے۔ اگر اس عرصے [illegible] رے کھلاڑی وہاں کے ماحول سے مطابقت پیدا نہیں کر سکے تو یہ ان کی نااہلی ہے جس کا خمیازہ ہمارے ملک کی کرکٹ کو بھگتنا پڑ رہا ہے اندیشہ یہ ہے کہ موجودہ لنگڑی لولی ٹیم کی وجہ سے دورے میں نہ صرف شدید مالی نقصان ہوگا بلکہ پاکستان میں کرکٹ کا مستقبل بھی تاریک ہو جائے گا۔ جس طرح ہاکی میں اندرونی خلفشار پر قابو پانے کے لیے فیڈریشن کو توڑ دیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسا ہی آپریشن کرکٹ میں کیا جائے تاکہ آئندہ دوروں میں برمنگھم ٹسٹ کی سی عبرت عبرتناک شکست کا اعادہ نہ ہو سکے۔

فاتح ہاکی ٹیم

نے ماسکو میں اپنے اعزاز فروخت کر دیئے

مونٹریال اولمپکس میں شرکت کے بعد وطن واپس آتے ہوئے پاکستان کی ہاکی ٹیم چند دنوں کے لیے ماسکو میں رکی تھی جہاں کچھ کھلاڑیوں نے اپنی ٹوپیاں اور بلیزر روسی شائقین کے ہاتھ فروخت کیے تھے۔ ٹیم کی ماسکو سے روانگی سے قبل روسی حکام نے پاکستانیوں کو ان کی فروخت شدہ ٹوپیاں اور بلیزر واپس کیے اور انہیں یاد دلایا کہ قومی اعزاز فروخت نہیں کیے جاتے۔

ماسکو میں تو کچھ بیچنے والی بات تھی۔ ارجنٹائن سے ورلڈ کپ جیت کر واپس آتے ہوئے پاکستانی ٹیم لندن میں ٹھہری جہاں اس کے ایک کھلاڑی کو شاپ لفٹنگ کے جرم میں نہ صرف ۵۰ پاونڈ جرمانہ ہوا بلکہ کچھ وقفے کے لیے حوالات میں بھی بند رہنا پڑا۔

ہم اس کھلاڑی کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ اس کا شمار سینیئرز میں نہیں ہوتا۔ مذکورہ کھلاڑی نے لندن کے ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور سے میک اپ کا سامان چرایا۔ اسٹورز کے سیکورٹی اسٹاف نے چور کو پکڑ کر سامان برآمد کر لیا اور مزید کاروائی کے لیے پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس نے انہیں لندن کی عدالت میں پیش کیا جہاں سے پچاس پونڈ جرمانہ کیا گیا

آرٹ سلک ٹیکسٹائل انڈسٹری کے مسائل

مصنوعی ریشے سے پارچہ بافی ترقی یافتہ ممالک میں ایک بنیادی صنعت ہے اسی صنعت کی بدولت امریکہ، جاپان، ہانگ کانگ وغیرہ کے عوام کو سستا، خوشنما اور پائیدار کپڑا مہیا ہوتا ہے۔ فاضل پیداوار کے ذریعے کافی غیر ملکی زرمبادلہ بھی کمایا جاتا ہے۔ یہ صنعت پاکستان میں بھی ہے لیکن دو عشرے گزرنے کے باوجود اب تک ابتدائی مدارج سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اسے ترقی دی جاتی لیکن طرح طرح کے حالات اور حکومت کی عدم توجہی کا شکار رہنے کے باعث ہمیشہ روبہ انحطاط ہی رہی ہے یہ صنعت دراصل دو حصوں میں منقسم ہے۔ چھوٹا حصہ اور بڑا حصہ ۔ ان میں بڑے حصّے کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ چھوٹے حصے کو ہڑپ کر جائے۔ ایک طرف تو اس صنعت کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہے لیکن دوسری طرف کسٹم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس پروفنشیل ٹیکس وغیرہ کی بھرمار کر کے اس کی کمر بھی توڑی جاتی ہے طرح طرح کے سیس اور چندے جو ہیں وہ الگ پھر طے شدہ اور غیر طے شدہ علاقوں کی کشمکش ہے جدید مشینری کا حصول اسی صنعت کے لئے ایک خواب ہے ملک کے اندر مصنوعی ریشے کی پیداوار کو ترقی نہیں دی گئی۔ خام مال درآمد کرنا پڑتا ہے۔ کپڑے کی رنگائی اور فنشنگ وغیرہ کا بھی خاطر خواہ انتظام نہیں۔ ابھی حال ہی میں یعنی اسی سال جنوری سے ایک بار پھر کسٹم ڈیوٹی چھ روپے سے آٹھ روپے تک اضافہ کر دیا گیا ہے ایسی حالت میں صنعت ترقی کرے تو کیسے؟ ان حالات میں موجودہ حکومت سے ہماری گزارش ہے کہ جہاں اور چیزوں کی طرف توجہ دی جارہی ہے وہیں اس سود مند صنعت کی طرف بھی توجہ دے ٹیکسوں میں اضافہ کو واپس لیا جائے۔ بلکہ ٹیکسوں میں چھوٹ دی جائے۔ اس کے لئے ضروری مشینری کی فراہمی اور فنی تربیت کا اہتمام کیا جاسکے اور اس طور پر سرپرستی کی جائے کہ یہ صنعت بھی پھولے پھلے اور ملک کے کام آئے۔

سیکرٹری رابطہ آفس
پاکستان سلک اینڈ ریان ملز ایسوسی ایشن گوجرانوالہ

بس روٹ پر تکلیف دہ ردوبدل

ملیر، سعود آباد، کھوکھراپار، ڈرگ کالونی وغیرہ کے بس روٹوں میں حال ہی میں جو تبدیلیاں کی گئی ہیں وہ انتہائی تکلیف دہ ہوگئی ہیں۔ پہلے ۵۵ پیسے کے ٹکٹ میں ٹاور تک جاسکتا تھا اور ٹاور سے ڈاؤن سفر بھی ۵۵ پیسے ہی میں ہوسکتا تھا لیکن اب اسی سفر کے لئے کم از کم ۸۰ پیسے صرف ہوتے ہیں بسیں لکی اسٹار پر آکر ختم ہو جاتی ہیں لیکن کرایہ وہی ۵۵ پیسے وصول کیا جاتا ہے پھر وہاں سے مزید ۲۵ پیسے خرچ کر کے ٹاور جایا جاسکتا ہے یہی صورت واپسی میں بھی ہوتی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس ہیر پھیر کے ذریعے کرائے میں ۲۵ پیسے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ فلیٹ کلب اسٹاپ دراصل لکی اسٹار کا نام ہے جو ایمپریس مارکیٹ سے تقریباً نصف میل ادھر ہی واقع ہے۔ اب ایمپریس مارکیٹ اور صدر (ریگل) تک کے پسنجروں کو اسی فلیٹ کلب کے اسٹاپ پر اتر کر کم و بیش نصف میل یا تو پیدل چلنا پڑتا ہے یا مزید ۲۵ پیسے اور وقت کا خون کرنا پڑتا ہے یہ کیسا انصاف ہے کہ پبلک کو سہولت پہنچانے کے نام پر مزید دشواریاں پیدا کی جارہی لیکن پیسہ اتنا ہی لیا جاتا ہے جتنا پہلے لیا جاتا تھا۔ مسافت کی کمی تو کر دی گئی لیکن کرائے جوں کے توں رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایمپریس مارکیٹ کے علاقہ سے بھیڑ بھاڑ ختم کرنے کے لئے ایسا گیا ہے لیکن یہ غلط ہے ایمپریس مارکیٹ کی بھیڑ ان بسوں کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی۔ دوسری بسوں کی طرح (جو اب بھی ایمپریس مارکیٹ سے گزرتی ہیں) یہ بسیں بھی ایمپریس مارکیٹ سے گزر جاتی تھیں۔ بھیڑ بھاڑ کی اصل وجہ دو ہیں ایک تو یہ کہ ایمپریس مارکیٹ کے پاس بسوں کو کھلی چھٹی دے دی جاتی ہے کہ جتنا جی چاہے وقت برباد کریں لہٰذا بسوں کی بھیڑ رہتی ہے ۔ دوسری وجہ وہ سودا فروش ہیں جنہوں نے فٹ پاتھ سے لے کر سڑک پر تک، اپنی دکانیں قائم کر رکھی ہیں لہٰذا بھیڑ بھاڑ کی حقیقی وجوہات ختم کی جائیں نہ کہ پبلک کو زحمت میں ڈالا جائے۔

نور خاں یوسف زئی ۔ کراچی

ایک ٹھیکیدار کی دھاندلی

تربت مکران کے ایک ٹھیکدار نے گندم کے سرکاری گودام سے تقریباً ایک سو سے زائد مزدوروں کو برطرف انہیں فاقہ کشی پر مجبور کر دیا ہے، اس ٹھیکیدار نے مزدوروں سے کہا تھا کہ وہ اگر اسے بارہ ہزار روپے ادا کریں اور اس کے اپنے ٹرکوں کو ان لوڈ کرنے کا معاوضہ نہ لیں تو ان کو دوبارہ کام پر لگایا جاسکتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ ان مزدوروں کو اپنا غلام سمجھ کر ان کا استحصال کرنا چاہتا ہے جو سراسر انصاف کے منافی ہے مارشل لا حکام کو چاہیئے کہ وہ غریب مزدوروں کے حال زار پر رحم فرمائیں اور انہیں اس ٹھیکیداروں کی دھاندلیوں سے نجات دلائیں۔

واحد بخش بلوچ
صدر بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کراچی زون

رضا کار لیکچرارز کے مسائل

دی ایل اے پنجاب کی مجلس عاملہ کا ایک ہنگامی اجلاس حال ہی میں جناب نذیر احمد چوہدری صدر دی ایل اے پنجاب گورنمنٹ کالج میں منعقد ہوا جس میں محکمہ تعلیم کے اندر رضا کار لیکچرارز کی متواتر حق تلفی پر جو محکمہ تعلیم میں ہو رہی ہے شدید رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے اپیل کی گئی کہ اس مسئلہ کو اوّلیت دی جائے اور نوکر شاہی کے گمراہ کن مشورے کے بجائے اسے حقیقت پسندانہ انداز سے حل کیا جائے۔

چودھری نذیر احمد ۔ دی ایل اے پنجاب

پہلے برائیاں ختم کیجئے

کہا جاتا ہے کہ ملک میں مکمل اسلام نافذ کیا جائے گا یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس اعلان کے مطابق کام بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ میں اپنے شہر راولپنڈی کا ذکر کروں گا شراب اور جوئے پر مکمل پابندی نافذ ہونے کے باوجود یہاں دھڑلے سے مے نوشی بھی ہوتی ہے اور جوا بھی۔ یہاں کے چار بڑے بڑے کلبوں میں شرفاء اور "اسلام پسند" حضرات بڑی باقاعدگی اور پابندی سے جوا کھیلتے ہیں جس کا نام "تمبولا" رکھا گیا ہے یہ تمبولا جوا کے سوا اور کچھ نہیں۔ دو کلبوں میں باقاعدہ شراب بھی چلتی ہے راولپنڈی کلب میں صرف غیر ملکیوں کو ہی نہیں بلکہ پاکستانیوں کو بھی ان کے رہائشی کمروں میں باقاعدہ شراب مہیا کی جاتی ہے رندوں میں صرف شہری ہی نہیں فوجی بھی ہوتے ہیں ان امور کی طرف چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحب کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ان سے گزارش کرتا ہوں کہ اگر اسلام واقعی نافذ کرنا ہے تو پہلے معاشرے سے برائیوں کا قلع قمع کیجئے پھر نیکیاں رائج ہو سکیں گی۔

ظہور احمد۔ سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

ٹینک لاریوں کا مسئلہ

پٹرولیم اٹھانے والی ٹینک لاریوں کی پہلے ہی سے کیا کمی تھی کہ اب مزید کمی کر دی گئی ہے اس کی وجہ سے پٹرولیم اٹھانے والے ٹھیکیداروں کی ایسوسی ایشن میں بڑی تشویش پیدا ہو گئی ہے اور ایکسپلوسیو ڈیپارٹمنٹ" کی اس کارروائی پر نظر ثانی کرنے کے لئے حکومت سے اپیل کی ہے تاکہ علاقے میں تیل کی قلت نہ پیدا ہونے پائے ٹینک اٹھانے والی لاریوں کی کمی کے سبب بہت سے ٹھیکیدار کام چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایسی کمی صرف پنڈی کے لئے کی گئی ہے جب کہ پاکستان کے دوسرے علاقوں میں کوئی کمی نہیں۔ یہ سب کچھ ۱۹۳۹ء کے قانون کے تحت کی جا رہی ہے جس کا اطلاق صرف پنڈی میں کیا گیا ہے۔ اس لئے حکومت سے گزارش ہے کہ وہ اس معاملے کی طرف جلد توجہ دے۔

راجہ محمد نیاز خان
صدر ایسوسی ایشن راولپنڈی

دیہات میں مویشیوں کی چوری

میں حکام بالا کی توجہ ایک نہایت سنگین مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو پچھلے کئی مہینوں سے دیہاتی باشندوں کے لئے انتہائی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے وہ مسئلہ دیہاتوں میں مویشیوں کی چوری کا ہے دیہات کے عوام ایک تو بے دخلی، بے روزگاری، رشوت ستانی اور مہنگائی کے مسائل سے سالہا سال سے دوچار ہیں ہی اوپر سے اب ان کے مویشیوں کی بھی چوریاں ہونے لگی ہیں جس کی وجہ سے ان کے دن کا چین اور رات کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں کوئی رات ایسی نہیں جاتی جب کسی نہ کسی گاؤں میں مویشیوں کی چوری نہ ہوتی ہو پولیس میں رپورٹ درج کرانے جائیے تو وہاں عجیب و غریب قسم کے غیر متعلق اور بیہودہ سوالات کر کے ٹرخا دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے عوام میں یہ تاثر پیدا ہو گیا ہے کہ ایسی پولیس کے ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے ان حالات میں ارباب حکومت سے خدا رسول اور انسانیت کے نام پر اپیل کی جاتی ہے کہ وہ دیہات کے اس مسئلہ پر فی الفور توجہ دیں۔

جان محمد نظامانی۔ گوٹھ موندر ضلع دادو سندھ

اومنی بسیں غائب کیوں؟

پہلے نمبر ۱۳، ۱۴، نمبر ۱۵ نمبر کی جو بسیں ٹاور تک جاتی تھیں وہ اب صرف صدر تک جاتی ہیں صدر تک جانے کے لئے ایک اور روٹ نمبر ۱۶ ڈی بھی ہے اسکے علاوہ ایک روٹ نمبر ۱۶ بھی ہے۔ ان روٹوں پر اب سے ڈیڑھ دو سال پہلے کافی بسیں چلتی تھیں پھر آہستہ آہستہ بسوں کی تعداد کم ہونے لگی یہاں تک کہ ایک نمبر ۱۶ ڈی اور چند اسپیشل بسوں کے سوا ساری بسیں ختم ہو گئیں اب چند دنوں سے ان روٹوں پر پھر دو چار بسیں نظر آ جاتی ہیں لیکن صرف صدر تک اور وہ بھی رات دس بجے کے بعد ساری بسیں غائب ہو جاتی ہیں جب کہ دوسرے روٹوں پر خود کے آر ٹی سی کی بسیں رات بارہ بجے تک ملتی رہتی ہیں پھر روٹ نمبر ۱۳، نمبر ۱۴، نمبر ۱۵ اور نمبر ۱۶ کی بسوں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ انہیں رات دس بجے کے بعد ہی بند کر دیئے جاتے ہیں۔ کیا ٹرانسپورٹ کے متعلقہ حکام اس کا جواب دینے کی زحمت کریں گے۔

خورشید احمد ڈرگ کالونی کراچی

آر ٹی اے کی دھاندلی

آر ٹی اے کراچی نے ۱۴-۱۵ مارچ ۷۸ء کو ایک عجیب و غریب حکم نافذ کیا ہے جس کے تحت روٹ نمبر ۱۳، نمبر ۱۴ اور نمبر ۱۵ کی بسیں اب صرف صدر تک جایا کریں گی جب کہ پہلے یہ بسیں ٹاور تک جایا کرتی تھیں۔ اس فیصلے کا واضح مطلب یہی ہے کہ عوام کی جیب پر مزید ڈاکہ ڈالا کیونکہ پہلے ایک شخص ۶۵ پیسے دے کر ٹاور تک جا سکتا تھا لیکن اب آر ٹی اے والوں کی مہربانی سے ۶۵ پیسے ادا کرنے کے بعد بھی وہ صدر میں اتار دیا جائے گا وہاں سے اسے مزید ۲۵ پیسے خرچ کر کے ٹاور جانا پڑے گا یعنی اب اسے ۶۵ پیسے کی جگہ ۹۰ پیسے ادا کرنے ہونگے اسے صریح دھاندلی نہیں تو اور کیا کہا جائے آخر کس قصور پر مسافروں کو یہ سزا دی جا رہی ہے؟

جنرل سیکرٹری
حلقہ تہذیب و تعمیر سماج کراچی

فلم

لاہور سے
خصوصی رپورٹ

ممتاز اور اجمل چودھری میں علیحدگی

ممتاز
لندن چلی جائیں گی اور
اداکاری چھوڑ دیں گی

ممتاز اور اجمل چودھری میں بالآخر علیحدگی ہوگئی۔ اور علیحدگی کے اس عمل میں یہ انکشاف بھی ہوا کہ انکا تو باقاعدہ نکاح بھی نہیں ہوا تھا، اداکار محمد علی جو فلمی صنعت کو باوقار بنانے کے لئے اسے اس قسم کے اسکنڈلوں سے پاک رکھنا چاہتے ہیں انہوں نے ممتاز اور اجمل چودھری کے درمیان علیحدگی کے اس معاملے کو جس کی شروعات بڑے تلخ انداز میں ہوئی تھی ثالث بن کر خوش اسلوبی سے طے کرنے کی کوشش کی۔

اداکارہ ممتاز جنہوں نے فلم صنعت میں ڈانسر کے خلا کو بڑی کامیابی سے پر کیا تھا اور فلم انتظار میں اپنی ناچوں سے تہلکہ مچا دیا تھا جلد ہی فلمی صنعت پر چھا گئی تھیں اور وہ گذشتہ چند سالوں میں مصروف ترین اداکارہ تھیں، فلمساز اجمل چودھری کے ساتھ جو فلمی صنعت کے ایک اہم ستون سمجھے جاتے ہیں انکے تعلقات ہوئے اور پھر انکی شادی کا چرچا بھی ہوا۔ اجمل چودھری ممتاز کے معاملے میں کچھ اتنے جذباتی تھے کہ اداکار ندیم کے ساتھ ممتاز کے تعلق کی محض افواہ سن کر انہوں نے پوری فلمی صنعت کے سامنے دونوں کو مجبور کیا کہ وہ ایک دوسرے کا جھوٹا دودھ پی کر دودھ شریک بہن بھائی بننے کا اعلان کریں، ندیم نے جو بڑے عافیت

ماضی زیادہ "باوقار" نہیں سمجھا جاتا۔ باقاعدہ نکاح نہیں کر سکتے تھے۔ اب ممتاز جنہوں نے فلمی صنعت سے بہت کچھ کما لیا ہے آزادی چاہتی تھیں۔ لہٰذا انہوں نے موقع غنیمت جان کر مارشل لاء حکام کو درخواست دی جس میں اجمل چودھری کے مقابلے میں تحفظ دینے کی درخواست کی گئی تھی۔ اجمل چودھری نے جواب میں ممتاز کے دو بھائیوں کے خلاف تھانے میں پرچہ چاک کر دیا۔ یہ معاملہ سنگین ہو سکتا تھا لیکن فریقین نے اداکار محمد علی کو جو پوری فلمی صنعت کے "علی بھائی" ہیں ثالث بنانے پر رضامندی ظاہر کی جس کے نتیجے میں سنا ہے کہ معاملہ اب باہمی رضامندی سے ہو گیا ہے۔

اجمل چودھری کے لئے یہ صورت حال بڑے صدمے کا باعث تھی جب ثالثی کی ان کوششوں کے دوران ممتاز نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ اب اجمل چودھری کے ساتھ رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں اجمل چودھری جو اس بات سے بڑے دل گرفتہ ہوئے کیونکہ وہ ممتاز کو والہانہ انداز سے چاہتے ہیں اور اس سے علیحدگی کا تصور بھی انہیں محال نظر آتا ہے تاہم

محمد علی نے مصالحت کرا کے فلمی صنعت میں ایک بڑا اسکینڈل بننے سے روک دیا

پسند اور صلح جو قسم کے انسان ہیں اور اپنے کسی مبینہ رومانس کے سلسلے میں "لپاڈگی" کی حد تک جذباتی نہیں ہونا چاہتے بڑی فرمانبرداری سے اس رشتے کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا تھا۔

ممتاز جو ابتداء میں غالباً فلمی صنعت میں تحفظ کی خاطر اجمل چودھری کے زیر سایہ آگئی تھیں اتنے عرصے تک ان کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اُن کے ساتھ رہنے پر مجبور رہی ہیں۔ جبکہ اجمل چودھری جو پنجاب کے ایک انتہائی معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور پہلے سے شادی شدہ ہیں۔ محض اپنے ~~خاندان کے دباؤ اپنے خاندان~~
خاندان کے دباؤ کی وجہ سے اداکارہ ممتاز سے جن کا

وہ حقائق کے یہ کڑوے گھونٹ مشروط طور پر پینے کے لئے تیار ہوئے ان کی شرائط یہ ہیں کہ ممتاز اپنی زیر تکمیل فلمیں مکمل کرنے کے بعد فلم لائن ترک کر دیں گی۔ اور پاکستان چھوڑ کر لندن چلی جائیں گی۔ اور وہیں مستقل رہائش اختیار کر لیں گی۔ اس کی اس پیش کش کو سنا ہے کہ خود ممتاز اور ان کے خاندان کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ اس طرح اجمل چودھری کی انا اپنی محبوبہ کو اپنے ہی سامنے کسی کے بازوؤں میں دیکھ کر مجروح ہونے سے بچ جائے گی۔

8

کو کئی کئی ماہ سے چیک کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے، لوگوں کو اصل پریشانی یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں روپے کی یہ رقوم آخر جاتی کہاں ہیں؟ اس سلسلے میں سب سے زیادہ ستم رسیدہ بزم طلبہ کے شرکا ہیں جن میں سے اکثر کو گزشتہ ایک سال سے ادائیگی نہیں ہوئی ہے۔

گزشتہ دنوں بزم طلبہ سے نشر ہونے والے مشاعرے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ مشاعرے کی ریکارڈنگ کے دوران شریک محفل ایک صاحب نے محض داد دینے پر اکتفا کی۔ لیکن جب مشاعرہ نشر ہوا تو وہ صاحب نہ صرف اپنا کلام پیش کر رہے تھے بلکہ داد بھی خود ہی دے رہے تھے۔

اخباری اطلاعات کے بعد گلوکارہ نگہت سیما اور تاج ملتانی کی علیحدگی کی خبر مصدقہ ہوگئی ہے۔

کلیاں کی پروڈیوسر مغربی جرمنی میں

حمیدہ جبین نئی سیریز اپنے شوہر کے نام سے پیش کریں گی

لاہور ٹی وی سے حکایتوں کی روشنی میں پیش کئے جانے والے ڈراموں کی دلچسپ بات یہ ہے کہ پہلے ڈرامے لکھے جاتے ہیں۔ پھر حکایات ڈھونڈی یا لکھی جاتی ہیں۔

لاہور اسٹیشن ہی سے پیش کی جانے والی سیریز "آپ بیتی" کی اصل خالق ناول نگار حمیدہ جبین ہیں۔ یہ سیریز ان کے ناول "ٹوٹ گئے آئینے" سے ماخوذ ہے۔ اور ان کے شوہر کے نام سے پیش کی جا رہی ہے۔

"ہیگا۔ لونی یا" کی مقبولیت اور شہرت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ دنوں کلیاں کی پروڈیوسر بشریٰ رفیق پروگرام سمیت جرمنی تشریف لے گئیں۔

ریڈیو اسٹیشن لاہور کی پروڈیوسر شائستہ حبیب کو اپنے شہر کے ادیبوں، شاعروں سے بہت سخت شکایت ہے کہ وہ انہیں لفٹ نہیں کراتے۔

ٹی وی تھیٹر میں بہت جلد عفرا بخاری کی کہانی "دستک" کو فہمیدہ نسرین پیش کر رہی ہیں۔ اسکی ڈرامائی تشکیل حمید کاشمیری نے کی ہے مرکزی کردار خالدہ ریاست ادا کریں گی۔

نیلام گھر کے پروڈیوسر تاجدار عادل کی دریافت الماس مرزا اگرچہ اسٹیشن پر اناؤنسر بننے میں تو کامیاب نہ ہو سکیں البتہ نیلام گھر کی میزبان بننے کا شرف حاصل کر گئیں، اب یہ الگ بات ہے کہ اپنی گوں ناں گوں مصروفیات کے سبب وہ زیادہ دن نہ ٹھہر سکیں۔

ریڈیو کے سینئر پروڈیوسر قمر جمیل حیدرآباد سے کراچی تشریف لے آئے ہیں مع اپنے ادبی چوزوں کے۔

کراچی ریڈیو اسٹیشن پر آجکل چیک نہ ملنے کی شکایت پھر عام ہے۔ مستقل اور غیر مستقل فنکاروں

نگہت سیما

الماس مرزا

بقیہ: ایڈیٹر کا صفحہ

وہ بے چارے ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ اور بھران کا غذات سمیت ایسے غائب ہوئے کہ دو تین گھنٹے تک کچھ پتہ نہ چل نہ سکا۔ لیکن اس وقت صدر پولیس سٹیشن کا رویہ بتدریج تبدیل ہو رہا تھا۔

یہ واقعات عدالت میں بھی دہرائے جائیں گے۔ لیکن مجھے سندھ کے ہوم سیکرٹری جناب کنور ادریس کراچی کے نئے کمشنر۔ کراچی کے آئی جی سے دریافت کرنا ہے کہ کراچی کی پولیس کا یہ رویہ کس حد تک قانونی ہے۔ اور ایک سیاسی جماعت کے ڈھنڈورچی کے اشارے پر یہ غیر قانونی کاروائی۔ کراچی پولیس کو تو بدنام کرے گی ہی۔ لیکن کراچی کی انتظامیہ اور صحافیوں کے درمیان انتہائی کشیدگی اور نفرت پیدا رہی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جناب منہاج برنا کے خلاف اس شرمناک کاروائی میں کون کون پولیس افسر۔ سول افسر اور کچھ دوسرے غیر سول افسر شامل ہیں۔ اور کراچی کی انتظامیہ اعلیٰ سطح پر اس میں ملوث نہیں تھی۔ لیکن صحافیوں اور حکومت سندھ کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے، یہ کاروائی عین اس وقت ہوئی۔ جب لاہور، پشاور، کوئٹہ، فیصل آباد، راولپنڈی اور دوسرے شہروں سے صحافیوں کے نمائیندے اعلیٰ سطح کے اجلاس کے لیے کراچی آئے ہوئے تھے۔

بقیہ: اے ڈی احمد

لمیٹڈ کو ایک خط مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۷۳ء کے ذریعہ فریٹ بروکر مقرر کیا گیا تھا میں وہ خط ایکس ۳۸ر پیش کرتا ہوں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ مسٹر عاشق علی بھٹو سرس نیشنل کارگو سروسس کے مالک ہیں یہ صحیح ہے کہ این ایس سی سرس ٹریول پر و موٹرس یا کسی دوسری ٹریول ایجنسی کو کوئی کمیشن نہیں دیتی۔ میں ایک خط مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۷۸ء دیکھتا ہوں یہ ہے ایک ۲۰ر۸۵۶۱۲ روپے کے بل سے متعلق۔ میں نہیں بتا سکتا کہ اس وقت اس بل کی کیا پوزیشن ہے آیا یہ رقم اب بھی باقی ہے یا ادا کر دی گئی میں ایکس ۳۹ر پیش کرتا ہوں میں سرس ٹریول پر و موٹرس کا ایک ۰۰ر۲۲۲۶ روپے کا بل دیکھتا ہوں مجھے یاد ہے جب میں این ایس سی میں تھا اس وقت ٹریول پر و موٹرس کے منیجر نے مجھ سے شکایت کی تھی کہ اس بل کی رقم اب تک ادا نہیں کی گئی ہے۔ یہ اب بھی باقی ہے۔ میں وہ بل ایکس ۴۰ر پیش کرتا ہوں میں ایکس ۴۱ر مورخہ ۶ر مارچ ۱۹۷۵ء دیکھتا ہوں۔ میں نے اس پر ۱۰ر مارچ ۱۹۷۵ء کو توثیق کی تھی۔ میں نے اس خط کو چیف ایڈمنسٹریٹو افیسر کے پاس بھیج دیا تھا۔ اور انہوں نے اسے پبلک ریلیشن افیسر مسٹر فاروقی کے پاس جو پروٹوکول افیسر بھی تھے بھیج دیا تھا۔ میں ایکس ۴۲ر دیکھتا ہوں جس پر ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء کی تاریخ درج ہے اور جس میں مذکور ہے "چیرمین این ایس سی کی زبانی ہدایات پر سرس ٹریول سنٹر کو ہمارے منظور شدہ ٹریول ایجنٹوں میں شامل کیا گیا ہے"۔ سرس ٹریول سنٹر لمیٹڈ، سرس ٹریول موٹرس سے مختلف ہے اس زمانے میں این ایس سی کے چیرمین ایڈمرل احسن تھے ۱۶ اکتوبر ۷۴ء کو وزیر مواصلات مسٹر خورشید حسن میر تھے اس وقت مدعا علیہ کسی محکمہ کا وزیر نہیں تھا مدعا علیہ وضاحت کرتا ہے کہ وہ اس وقت حکومت میں وزیر یا کوئی دوسرا عہدہ قطعی نہیں رکھتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ این ، ایس سی کا سرکاری کام بہت کم تھا جب مدعا علیہ وزیر مواصلات ہوا تو اس نے اس مسئلہ پر وزارت تجارت اور وزارت پیداوار سے بات چیت کی۔ اس ملاقات میں وزیر تجارت مسٹر افضل خان اور وزیر پیداوار مسٹر رفیع رضا نے شرکت کی تھی مدعا علیہ نے ۱۰۰ فیصد سرکاری کاروبار کا تقاضہ کیا اور دونوں وزراء نے حتی الوسع زیادہ سے زیادہ اعانت کا وعدہ کیا لیکن بہت زیادہ اصلاح نہ ہو سکی حکومت اکثر بہت زیادہ کارگو کے لئے جہاز چارٹرڈ کیا کرتی مختلف وزارتیں کیا کرتیں گندم کے کارگو کے لئے ساری دنیا سے ٹنڈر طلب کئے جانے امریکہ سے گندم کافی مقدار میں فراہم ہوتی ہے لیکن کینیڈا اور آسٹریلیا سے بھی تھوڑی مقدار برامد ہوتی ہے تقریباً گذشتہ چار مہینے سے عالمی پیمانے پر ٹنڈر طلب نہیں کئے گئے ہیں اور این ایس سی یا پی ایس سی کو گندم کی برامد کے لئے کوئی سرکاری بزنس نہیں ملا ہے یہ صحیح ہے کہ اس گندم کی درامد یونی میرین کے ذریعہ ٹنڈر طلب کئے بغیر ہوتی ہے یہ صحیح ہے کہ سرس یونی میرین میں بڑا حصہ مسٹر گوگل کا ہے۔

مسٹر گوگل فی الحال پورٹ شپنگ اور غیر ملکی تجارت کے انچارج منسٹر ہیں میں نے شام کے اخبار لیڈر میں ایک خط جہاز رانی میں اجارہ داری کے عنوان سے پڑھا میں نے اسے دیکھا ہے اور ایکس ۴۳ر کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔

بقیہ: یونان

انقلاب جیسے بڑے جھوٹ کو کس کس طرح دھوکا کھا گئیں۔ لیکن اب اس جھوٹ کا پول کھل چکا ہے کمیونسٹ انقلاب کا کوئی خطرہ نہ پہلے تھا۔ اور نہ اب ہے پھر بھی جنتا برسر اقتدار ہے تو کیوں؟

میں آزاد دنیا سے مخاطب ہوں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد ہمیں یہ امید ہوئی تھی۔ کہ فسطائیت قطعی طور پر کچل دی گئی ہے اور اب اس کا دوبارہ ظہور نہ ہوگا یورپ میں تو یقیناً نہ ہوگا۔ پھر بھی یہ دوبارہ ظاہر ہوئی ہے اور یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ اس کا دوبارہ ظہور خود ہمارے ملک یونان میں ہوا ہے جو جمہوریت کا گہوارہ رہا ہے بہر حال جنتا کا حشر ایک مقامی معاملہ نہیں۔ اس کا حشر ایک مثال پیش کر جائے گا۔ اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے یا اسے مایوسی نصیب ہوتی ہے اس کا اثر دوسرے ملکوں پر بھی پڑے گا۔ اسی لئے میں آزاد دنیا سے اس کے عوام سے اور اس کی حکومتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہماری مستحکم حمایت کریں۔ ہم ان سے یہ نہیں کہتے کہ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں البتہ اگر سیاسی اور اقتصادی دونوں اعتبار سے بین الاقوامی پابندی عائد کی جائے تو اس فوجی جنتا کا فی الفور صفایا ہو جائے یہی چیز ہے جس کی ہم اپیل کرتے ہیں۔ ہماری یہ اپیل یونانی عوام کے نام پر ہے جن کی ہم نمائندگی کرتے ہیں۔

اس معاملے میں ابتدا کر کے آزاد دنیا خود اپنا ہی تحفظ کرے گی۔ اور اپنے نام کی لاج رکھے گی۔

بڑے شہروں میں

"معیار پبلیکیشنز" کے تقسیم کنندگان

مندرجہ ذیل شہروں میں معیار کی مطبوعات ہمارے ان نیوز ایجنٹ حضرات کے ہاں دستیاب ہے۔ پرچہ گھر پر پہنچانے کا انتظام بھی ہے۔ پرچے کے حصول میں دقّت ہو تو ان حضرات سے رابطہ قائم کیجئے۔ مزید دقت ہو تو ہمیں براہِ راست لکھئے۔

"معیار پبلیکیشنز" پوسٹ بکس ۳۱۹۵، کراچی ۲۹۔

پشاور
بزنس کمپنی چوک یادگار

کراچی
فاروق نیوز ایجنسیز ریگل چوک۔

لاہور
اے رحمٰن نیوز ایجنسی
۱۔ فین روڈ

راولپنڈی
افضل نیوز ایجنسی
ڈی اے وی، کالج روڈ۔

کوئٹہ
میسرز گوشۂ ادب
سرکلر روڈ۔

ملتان
ملک نیوز ایجنسی
ملک پلازہ۔ عظمت واسطی روڈ

لائلپور
محمد اسحاق، نیوز پیپر ایجنٹ
کچہری بازار

حیدرآباد
میسرز سلیمان برادرز
نیوز پیپر ایجنٹ

سکھر
حسینی بک ڈپو
گھنٹہ گھر

میرپور خاص
سندھ کتاب گھر
اسٹیشن چوک

لاڑکانہ
پاکستان بک ڈپو

سیالکوٹ
ملک اینڈ سنز
نیوز پیپر ایجنٹ

سرگودھا
میسرز اسٹینڈرڈ بک سٹال

بہاولپور
کیپٹل نیوز ایجنسی

بدین
غفور نیوز ایجنسی

جہلم
بٹ نیوز ایجنسیز

گوجرانوالہ
ذوالفقار احمد صحرائی
نیوز پیپر ایجنٹ

رحیم یار خان
چوہدری امانت علی
نیوز پیپر ایجنٹ

خیرپور
مکتبہ حیدری
حسینی چوک

بھکر (ضلع میانوالی)
ذاکر حسین نیوز ایجنٹ

گلگت
پیرزادہ محمد حسین شاہ
نیوز پیپر ایجنٹ

ڈیرہ اسماعیلخان
راجہ برادرز
نیوز ایجنٹ

گجرات
نذر نیوز ایجنسی
اقبال گنج

منڈی بہاؤالدین
ملت نیوز ایجنسی

ٹھٹھہ
شمس بک سٹال

مانسہرہ
بلال نیوز ایجنسی

خانیوال
کتب خانہ صدیقیہ
کچہری بازار

ڈیرہ غازیخان
شمیم نیوز ایجنسی

سانگھڑ
ہمدرد لائبریری

جھنگ
شیخ محمد حسین
نیوز ایجنٹ

کیمبل پور
خزینۂ علم و ادب
نیوز پیپر ایجنٹ

ڈڈیال (آزاد کشمیر)
راجہ فضل الرحمٰن
نیوز ایجنٹ

چمن
نشاط نیوز ایجنسی

سامارو (ضلع تھرپارکر)
شوقین نیوز ایجنسی

اسکردو (بلتستان)
رسول جو حسن جو
نیوز پیپر ایجنٹ

اوتھل (ضلع لسبیلہ)
شاہد نیوز ایجنسی

وہاڑی (ملتان)
وہاڑی نیوز ایجنٹ

میرپور (آزاد کشمیر)
اعظم نیوز ایجنسی

ایبٹ آباد
پاکستان نیوز ایجنسی

REGD. NO. S.2946

Telephone: 435673

'MEYAAR PUBLICATIONS'

POST BOX 3195, KARACHI-29